وہ ڈاکٹر علشبہ علی حسن تھی۔۔جس کی خوبصورتی اور ذہانت سارے کالج میں مشہور تھی۔

وہ بولتی تو سننے والے اس کے لہجے کی نرماہٹ سے مبہوت سے اسے سنتے رہتے۔۔یوں جیسے سماعتوں میں دور سے آتی کسی مندر کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔۔وہ ہنستی تو جیسے موتی بکھر جاتے وہ جسے نظر اٹھا کر پل بھر کے لیے دیکھتی تو اس شخص کے دل میں حسرتیں جگا دیتی کہ کاش اک بار پھر وہ قاتل آنکھیں ہمیں دیکھیں ہمارے چہرے پہ ٹھہر جائیں اور جس کے چہرے پر وہ آنکھیں ٹھہر جاتیں وہ تو مغرور سا سر اٹھائے کالج میں پھرتا تھا۔کئی ایسے لڑکے جو عام سے سٹوڈنٹس تھے اس کی نظر میں آنے کے لیے رات دن محنت کرتے کہ اچھے نمبرز لے کر اس کی توجہ حاصل کر سکیں۔۔وہ جب اپنی سنہری ریشمی زلفوں کو گردن کے اک خفیف سے جھٹکے سے پیچھے کرتی تو جوان دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں تھیں۔کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہر نعمت سے نواز دیتا ہے۔۔علشبہ علی حسن بھی انہی خوش قسمت لوگوں میں سے ایک تھی۔۔لوگ اسے دیکھتے تو اس کی قسمت پہ رشک ضرور کرتے تھے۔۔کیونکہ دولت اس کے گھر کی باندی تھی تو حسن بھی اسے خوب ملا تھا اور ذہانت تو اسے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔۔۔جس نے اسے تھوڑا سا مغرور بھی کر دیا تھا۔شاید اس غرور کی وجہ ذہانت دولت اور خوبصورتی کے علاوہ والدین کی اکلوتی اولاد ہونا بھی تھی۔ماں باپ دونوں کی آنکھوں کا تارا تھی وہ۔۔۔

کبھی کبھی وہ ماں باپ کی اس قدر شدید محبت سے گھبرا بھی جاتی اسے لگتا کہ جیسے وہ کسی دائرے میں قید ہے۔۔۔جس سے باہر نکلنے کی اجازت ہی نہیں۔۔کالج کے قابل ترین سٹوڈنٹس میں سے ایک ولید حسن بھی تھا۔۔اور ہمیشہ علشبہ اور ولید میں مقابلہ لگا رہتا کبھی اچھے نمبر لے کر وہ جیت جاتی اور کبھی وہ جیت جاتا۔۔لیکن پہلی اور دوسری پوزیشنز ان دونوں کو ہی ملتی تھیں۔۔۔جو بھی پہلی پوزیشن لیتا وہ دوسرے فریق کی طرف فاتحانہ انداز میں گھوریاں ڈالنا نہ بھولتا۔وہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تو کبھی بھی نہیں رہے تھے لیکن۔۔۔ایسے کوئی جانی دشمن بھی نہیں تھے۔۔علشبہ کو ولید حسن کی انفرادیت اٹریکٹ کرتی تھی کیونکہ اسے اپنے حسن کی کرشمہ سازیوں سے مکمل آگاہی تھی۔۔۔وہ اپنی ساحرانہ آنکھوں کے طلسم سے پتھر کے بت بنے مردوں کو دیکھتی تھی۔وہ اپنی ریشمی زلفوں کے جال میں پھڑپھڑاتے ہوئے بخوشی شکار بنتے مردوں سے بھی اچھی طرح آگاہ تھی۔۔وہ

اپنی جھرنوں کے ترنم سی آواز اور آبشاروں جیسے حسین لب و لہجے سے متاثر ہوتے مردوں سے بھی واقف تھی۔۔۔وہ اپنے دراز قد پر بھی نازاں تھی جس تک پہنچنے کے لیے پنجوں کے بل اچک کر درمیانی یا کوتاہ قامت والے مرد برابری کی کوشش کرتے تھے اس تک پہنچنے کے خواب دیکھتے تھے۔۔لیکن وہ نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا کہ کبھی نظر بھر کر اسے نہیں دیکھتا تھا۔۔کئی بار فنکشنز وغیرہ میں وہ بڑی محنت سے تیار ہوتی کہ شاید اب وہ اس کا نوٹس لے گا۔۔لیکن وہ مست ملنگ سا اپنی ذات میں گم پڑھنے میں مگن نظر آتا۔۔۔فنکشنز میں بھی وہ نظریں جھکائے موبائل فون میں کھویا رہتا تھا۔۔کبھی یہ نہ ہوا کہ یہ ہی دیکھ لے کہ علشبہ نے کتنی محنت کی ہے اپنے حسن کو مزید نکھارنے اور دو آتشہ کرنے کے لیے۔

اس دن کلاس میں رزلٹ سنایا گیا تو وہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چپ ہی رہا۔۔اس بار نہ اس نے گھوریاں ڈالیں اور نہ علشبہ نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے آج تو آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے دو نمبری کا طعنہ نہیں دیا اس لڑکی نے'' وہ دل ہی دل میں حیران تھا۔۔

''آج تو علشبہ ہمیں کامیابی کی خوشی میں ٹریٹ دے گی۔'' اس کی دوست دو تین دوسری کلاس فیلوز لڑکیاں اس سے ٹریٹ مانگ رہی تھیں۔

''ولید حسن کتابیں سمیٹتے ہوئے ان سے بالکل انجان بنا اپنے کام کی طرف متوجہ تھا۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے۔۔۔نایاب بی بی! کہ میرے لیے یہ جیت کوئی نئی، انوکھی، یا غیر متوقع بات نہیں ہے۔۔۔بلکہ میرے لیے یہ جیت روزمرہ کی روٹین ہے۔۔۔جو لوگ کبھی کبھار اتفاق سے پہلے نمبر پر آجاتے ہیں ان کے لیے ٹریٹ دینی بنتی ہے۔۔۔اور وہ لوگ دیتے بھی ہیں۔'' وہ کتابوں میں گم ولید حسن کو سنا رہی تھی۔۔۔وہ چونک کر اسے دیکھتے ہوئے قریب آیا اور جتانے والے انداز میں بولا۔

''مس علشبہ! پہلی بات تو یہ کہ مجھے خواتین کی طنزیہ گفتگو سخت ناپسند ہے۔۔صاف کہتا ہوں اور صاف سننے کا ظرف بھی رکھتا ہوں۔۔۔تو صاف کہیں کہ میں مسٹر ولید حسن کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑی بڑی پارٹیز نہیں دیتی کیونکہ پارٹیز میں پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں اور دوسروں پر خرچا کرنے کا جگرا اللہ نے ہر شخص کو نہیں

دے رکھا ہے۔۔۔یہ صفت فی زمانہ نایاب ہوتی جا رہی ہے۔" وہ بڑی شائستگی سے صاف صاف اسے کنجوس کہہ رہا تھا۔

"آپ مجھے کنجوس کہہ رہے ہیں؟"

" میں نے آپ کو تو ابھی کچھ ہی نہیں۔"

وہ بڑے انداز سے اسے دیکھتے ہوئے بولی

"مجھے ہر شخص اُٹھ کر کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔۔۔اس کے لیے بڑی ہمت چاہیے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تو وہ بھی اسے دیکھتے ہوئے بے اختیار کہہ گیا۔

"ہمت تو چاہیے ہوتی ہے لڑکیوں سے اظہار محبت کے لیے۔۔جب محبت ہو جائے گی تب ہمت بھی آ ہی جائے گی۔" اس نے غیر محسوس انداز میں سامنے کھڑے لڑکوں کی طرف دیکھتے ہوئے ایک آنکھ شرارت سے دبالی۔

"چلیں آپ انہیں کچھ کھلا پلا لائیں۔۔اگلے ٹیسٹ کے لیے میں پیسے جمع کر رہا ہوں بے فکر رہیں اگلی ٹریٹ میری طرف سے ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔" اس کے انداز میں یقین بول رہا تھا۔

وہ بڑبڑاتے لگی۔"ہونہہ منہ تو دیکھو اس کا۔" اس کی آنکھوں میں اپنے حسن اور اپنی ذہانت کا غرور خمار بن کر چمک رہا تھا۔۔۔علشبہ علی حسن اس سے ہار جانے کی صورت میں کالج ہی چھوڑ دے گی۔" اس نے بہت بڑی بات ساری کلاس کے سامنے کہہ تو دی لیکن اسے سچ کر کے دکھانے کے لیے علشبہ کی راتوں کی نیند اور دن کا چین چھن گیا تھا۔۔کیونکہ وہ اپنا ہنڈرڈ پرسنٹ دے کر اسے نیچا دکھانا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

کالج کے سٹوڈنٹس میں کالج کے ایک فنکشن کے لیے لکھی گئی تقریر سے شروع ہونے والا دو پارٹی لیڈرز کی لڑائی کا معاملہ آج کل بہت گرم تھا۔

وہ لوگ لائبریری میں بیٹھے تھے کہ یکا یک باہر سے آتی تیز آوازوں کے درمیان فائرنگ کی آوازیں انی شروع ہو گئیں۔۔۔وہ سبھی گھبرا کر باہر کی طرف نکلے باہر اک عجیب سا حال تھا ایسی افراتفری مچی ہوئی تھی کہ کسی

کو اپنے علاوہ کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ لڑکیاں رو رہی تھیں۔۔ کچھ سٹوڈنٹس زخمی تھے۔ دو کو گولیاں لگی ہوئی تھیں۔۔۔ علشبہ کے ڈرائیور کو دو گھنٹے بعد آنا تھا اس نے کانپتے ہاتھوں سے نمبرز ملائے۔۔ مما پارلر جاتیں تو موبائل آف کر دیتی تھیں۔۔ اس کے پاپا میٹنگ میں تھے شاید ان کا فون بھی آف جا رہا تھا آفس کے نمبر پہ بار بار کال کر رہی تھی لیکن وہ نمبر انگیج جا رہا تھا اس کا ڈرائیور اپنے پاس موبائل فون نہیں رکھتا تھا۔ کئی بار مالکوں کے کہنے پر بھی اس نے فون نہیں لیا تھا یہ کہہ کر کہ خدا مجھے اس شیطانی کھلونے سے بچائے رکھے"

"وہ گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کالج کے گیٹ سے نکلنا چاہ رہی تھی۔۔۔ دن بھر کالج میں سائے کی طرح ساتھ رہنے والی سہیلیوں نے اسے دیکھا تک نہیں کہ وہ کس حال میں ہے؟۔ سب کو اپنی پڑی تھی اسے ایسے وقت میں سب کے چھوڑ جانے پر بہت دکھ ہو رہا تھا۔ لیکن دکھ کی اس کیفیت پر خوف حاوی تھا خوف جو فائرنگ کی آواز اور لوگوں کے چیخنے چلانے سے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔

"یا اللہ میری حفاظت کرنا۔۔ میرے والدین تو میری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتے ہیں اگر مجھے کچھ ہوا تو وہ مر ہی جائیں گے۔"

اس کی آنکھوں کے سامنے صبح کا منظر آ گیا وہ نکل رہی تھی اور ماں سر پر دوپٹہ لپیٹے مسلسل کچھ پڑھ کر پھونکیں مار رہی تھیں۔ روز صبح ان کے گھر میں صدقے سے ہوتی جو اس کے سر کا صدقہ ہوتا۔

"مس علشبہ! آپ ابھی تک یہاں ہیں؟ وہ ولید حسن تھا جو بکھرے بالوں اور سفید کوٹ پر خون کے دھبوں سمیت اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی اس کے کپڑوں پر لگا خون دیکھ رہی تھی

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کیا کروں کسی کا فون نہیں مل رہا۔۔"

وہ جیسے رو دی۔

"اوہ خدایا۔۔۔ حالات بہت زیادہ خراب ہیں آپ کو فوری باہر نکالنے کے لیے کچھ کرنا پڑے گا۔۔" وہ بھی پریشان لگ رہا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں نا؟؟

علشبہ نے اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں لیکن احمد کو گولی لگی ہے۔۔اسے ایمبولینس میں ڈال کر آیا ہوں اس کے ساتھ بہت سے لڑکے تھے۔۔۔دور سے آپ کو یوں کھڑے دیکھ کر میں گاڑی سے اتر آیا"

اسے تسلی سی ہوگئی تھی اک عجیب سے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔

"چلیں باتوں کا وقت نہیں ہے" اس نے علشبہ کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً اسے کھینچتے ہوئے کہا۔۔کیونکہ اس دوران فائرنگ تیز ہو چکی تھی شاید زخمی ہونے والے لڑکوں نے بدلہ لینے کے لیے باہر سے لوگ منگوا لیے تھے۔۔۔پولیس اور انتظامیہ یوں غائب تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔۔۔شاید وہ لوگ بھی برستی گولیوں کے سامنے آنے سے ڈر رہے تھے۔

بھاگتے ہوئے علشبہ کو اچانک یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے بازو میں۔۔کسی نے جلتی ہوئی سیخ گھسا دی ہو۔۔۔وہ اس کی تکلیف سے بے خبر اسے کھینچتے ہوئے تیز بھاگ رہا تھا نسبتاً محفوظ راستوں سے۔۔۔علشبہ نے بمشکل درد کی تیز لہر کو برداشت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسکی طرف دیکھا وہ پریشان سا گیٹ سے باہر نکلنے کا رستہ ڈھونڈ رہا تھا۔۔۔وہ اسے کہنا چاہتی تھی کہ مجھے شدید درد ہو رہا ہے پلیز رک جاؤ لیکن اس کے ہونٹوں سے فقط اک سسکی نکلی جسے وہ خوف کی شدت کا ردعمل سمجھ کر نظر انداز کر گیا۔۔اچانک ولید حسن کو علشبہ کا بازو پکڑے اپنے ہاتھ پر کوئی سیال سا بہتا ہوا محسوس ہوا تو اس نے پل بھر کے لیے پلٹ کر دیکھا۔۔اس کے بازو سے بہت زیادہ خون بہہ رہا تھا۔۔۔اس کی اپنی آستین کے ساتھ ولید حسن کا پورا ہاتھ خون سے بھرا ہوا تھا۔۔

علشبہ نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ اسے گولی لگی ہے اور خون بہت بہہ رہا ہے۔۔۔وہ خوف کی شدت اور خون بہنے کی وجہ سے ہونے والی کمزوری کی وجہ سے اپنے قدموں پر زیادہ دیر کھڑی نہ رہ سکی۔۔۔پہلے کھڑی ہوئی پھر بازو پکڑ کر زمین پر گر سی گئی۔۔

"ذرا سی ہمت کرو۔۔۔پلیز۔۔آپ کو گولی بازو میں لگی ہے۔بس ڈاکٹر تک پہنچنا ہے سب ٹھیک ہو جائے گا" وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے خود حوصلے کھو رہا تھا۔۔وہ پیاری سی لڑکی پل بھر میں خزاں رسیدہ زرد پتوں کی طرح نظر آنے لگی تھی۔

ولید اس کی نیم بے ہوشی اور خطرناک حد تک زرد رنگت دیکھ کر بہت گھبرا گیا تھا۔۔۔اس نے کچھ سوچے

ہوئے فیصلہ کیا اور علشبہ کے گلے سے دوپٹہ کھینچ لیا۔

وہ اس وقت مکمل ہوش میں بھی نہیں تھی اور مکمل بے ہوش بھی نہیں تھی اس لیے اس نے حیرانگی اور ملامتی سے بھرپور نظروں سے اسے گھورا اور زیادہ دیر تک آنکھیں کھلی رکھ سکنے کی سکت نہ پاکر بے ہوش ہوگئی۔۔۔ولید نے علشبہ کے دوپٹے کو خوب کس کر زخم پر باندھ دیا تھا اور اب وہ اس کی نبض دیکھتے ہوئے عجیب کشمکش میں گرفتار تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ ہنگامی حالات اب بھی ویسے ہی تھے۔۔پولیس موبائیل کے تیز سائرن کی آواز سنتے ہی اسے اطمینان ہوا کہ اب شاید حالات بہتر ہو جائیں۔۔اس نے علشبہ کے ہلکے پھلکے نازک سے جسم کو اپنے بازؤں میں اٹھایا۔۔اور گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی اسے محسوس ہی نہ ہوا کہ ایک نوجوان خوبصورت اور حسین لڑکی اس کے اتنے قریب ہے۔۔اسے تو بس یہ ہی دھن دوڑا رہی تھی کہ خون زیادہ بہنے کی وجہ سے اس کی جان ہی نہ چلی جائے۔

☆......☆......☆

خون سے بھرے ہوئے کپڑے۔۔بکھرے ہوئے بال۔۔آنکھوں میں عجیب سی وحشت لیے وہ اسپتال کے کاریڈور میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔۔اندر وہ اکیلی ڈاکٹرز کے رحم و کرم پر بے ہوش پڑی تھی۔

ڈاکٹرز نے اسے کہا کہ

”خون کی ضرورت ہے کیونکہ خون بہت بہہ چکا ہے اور گولی نکالنے کے لیے آپریشن کرنا پڑے گا دعا کریں کہ گولی نے ہڈی کو زیادہ نقصان نہ پہنچایا ہو۔“

اس کا بلڈ گروپ ایسا تھا کہ جو سب بلڈ گروپس کو لگ سکتا تھا اسی لیے ولید نے خون دینے کا فیصلہ کیا حالانکہ مسلسل ذہنی پریشانی نے اسے بہت مضمحل کر دیا تھا۔۔۔خون دینے کے بعد اسے شدید قسم کے چکر آنے لگے تھے اسے یاد آیا کہ صبح سے اس نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔۔۔وہ چکراتے سر پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے مسلسل علشبہ کے بارے میں سوچ رہا تھا

وہ تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔۔سوائے اس کے کہ وہ ایک بہت خوبصورت اور قابل ترین سٹوڈنٹ تھی۔۔۔وہ اس الجھن میں تھا کہ کس سے اس کے گھر والوں کا فون نمبر یا ایڈریس معلوم کرے

اور۔۔کسی بھی طرح اس کے فیملی ممبرز کو یہاں بلائے ۔۔۔☆
کبھی کبھی انسان توقع کے خلاف ہونے والے واقعات سے اس قدر شاکڈ ہو جاتا ہے کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو دیتا ہے۔۔۔اس کا حال بھی اس وقت بالکل ایسا ہی تھا۔۔اپنا موبائل فون اس کی جیب میں پڑا تھا اور۔۔علیشبہ کا فون اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔۔۔جو اس نے پرس سمیت اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔۔۔۔فون آف تھا ولید حسن نے سوچا
''ارے اس کے گھر فون کر کے اس کے والدین کو اطلاع دینی چاہیے۔۔۔جانے اسے کہاں کہاں ڈھونڈ رہے ہوں گے یقیناً یونیورسٹی میں ہنگامے کی اطلاعات تو میڈیا پر چل رہی ہوں گی۔'' اس نے موبائل فون ان کیا تو موبائیل کی اسکرین پر جگمگاتا ہوا اس کا حسین چہرہ دکھائی دیا پکچر دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔۔''کس قدر خوبصورت ہے یہ لڑکی۔۔۔؟ لیکن اس کے ساتھ بہت برا ہوا۔ اب خدا کرے کہ یہ بچ جائے اور بالکل ٹھیک بھی ہو جائے۔
''اس کے ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے روتی ہوئی آواز سن کر اسے اندازہ ہوا کہ۔۔اس کے گھر والے کس قدر پریشان ہیں۔
''میں آپ کو ہاسپٹل کا ایڈریس لکھواتا ہوں۔۔آپ بے فکر رہیں علشبہ بالکل ٹھیک ہے۔بس تھوڑی سی خوفزدہ ہو گئی تھی'' وہ یہ بات انہیں کیسے بتاتا کہ ''آپ کی بیٹی کو گولی لگی ہے اور اس کی حالت خطرے میں ہے۔۔
علشبہ کے والدین نے بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر رو رو کر برا حال کر لیا تھا ماں تو سفید دوپٹے کو سر پر لپیٹے مسلسل منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں اور باپ بھی سر جھکائے چپکے چپکے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی لاڈلی کی زندگی کے لیے دعا گو تھے۔
''بیٹا آپ گھر چلے جاؤ۔۔۔آپ کی حالت بھی ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔ہم علشبہ کے ہوش میں آتے ہی آپ کو فون کر دیں گے۔'' اس کے خون میں ڈوبے کپڑے خود اس کو بھی ڈرا رہے تھے وہ ان کی بات سن کر گھر لوٹ آیا تھا۔۔۔
مگر اس کا ذہن مکمل نہیں تھا آدھا ہاسپٹل کے ویٹنگ روم میں بیٹھ کر روتے ہوئے علشبہ کے والدین کے

آس پاس تھا۔ اور آدھا اپنے پاس اسے علشبہ کی والدہ کی زبانی پتہ چلا تھا کہ وہ ان کی اکلوتی اولاد ہے اور انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا کہ

"تم نے ہمارے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے جو علشبہ کو بروقت ہاسپٹل لے آئے ورنہ ہماری ساری زندگی کی ساری پونجی لٹ جاتی ہم کہاں سے لاتے اپنی علشبہ کو۔"

وہ خون آلود کپڑوں کی وجہ سے خوفزدہ آپا کو مطمئن کر کے۔۔۔اور ان کی ہدایت کے مطابق کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آ گیا۔۔نیم تاریک کمرے میں ہلکی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی سامنے سکرین پر مشہور گلوکارہ بڑے سر میں گا رہی تھی۔

"یار کو ہم نے جا بجا دیکھا۔۔

اس کے وجود میں اک عجیب سی اداسی نے ڈیرا جما رکھا تھا

ٹی وی بند کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا

"نہ جانے کب تک ہم ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہیں گے؟ نہ جانے کب تک ہم اسی نفرت کے ہتھیاروں سے اپنوں کا قتل کرتے رہیں گے۔۔۔ایک دن ہم سب ختم ہو جائیں گے اگر ہم نے نفرت کو ختم نہ کیا تو۔۔اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے زخمی دوستوں کے چہرے آ گئے تھے۔۔وہ سب جو پڑھنے کے لیے دور دور سے والدین اور بہن بھائیوں کے خوابوں کو تعبیر کے رنگوں میں ڈھالنے کے لیے دن رات محنت کرتے رہتے تھے۔ان کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن سزا ان کو مل رہی تھی

اس لڑکی کی سوال کرتی آنکھیں اس سے پوچھ رہی تھیں۔۔۔"میں تو نہ کسی پارٹی کی ہوں نہ کسی گروپ سے میرا تعلق ہے پھر بھی مجھے زندگی سے دور کر رہے ہو۔۔۔آخر کیوں؟"

انہی سوچوں میں گم وہ نیند کی مہربان آغوش میں دنیا و مافیہا سے بے خبر خوابوں کی اک حسین وادی میں کھو گیا تھا۔اس کے خوابوں کی وادی میں سب ایک دوسرے سے پیار کرتے تھے نہ کوئی نفرت کے زہر سے دوسروں کی زندگیاں نیلی کرتا تھا نہ کوئی پھولوں کے گلال کو لہو کے سرخ رنگ میں بدلتا تھا۔۔کیسا امن تھا۔۔محبت تھی احساس تھا وہاں تتلیوں رنگوں اور خوشبوؤں سے بھرپور فضا تھی۔۔۔نہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ تھی نہ درد تھے نہ چیخیں تھیں نہ

سسکیاں تھیں بس قہقہے ہی قہقہے سنائی دے رہے تھے
ہنسی کی جلترنگ تھی جو سماعتوں کو سرور بخش رہی تھی
اطمینان ہی اطمینان تھا سکون ہی سکون تھا خوابوں کی اس وادی میں۔

"کاش کہ اب ہم میں سے کسی کو کسی سے نفرت نہ ہو فقط محبت کو سوچیں محبت کو بولیں اور محبت کو ہی سنیں۔۔محبت کے علاوہ نہ سماعتوں میں کوئی اور لفظ پڑے اور نہ بصارتوں کو کچھ نظر آئے لیکن۔خواب میں بھی اسے خوف ستا رہا تھا کہ کہیں یہ سب خواب نہ ہو۔

☆......☆......☆

وہ بہت دنوں بعد کالج آئی تھی۔۔کالج بھی اک طویل عرصے تک بند رہا تھا۔۔کچھ قصورواروں کو اور کچھ بے قصوروں کو بھی کالج سے نکال دیا گیا تھا۔۔کالج انتظامیہ نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی تھی۔۔یہ کہتے ہوئے کہ جب نوجوان نسل میں کچھ سہنے کا ظرف ہی نہیں ہے کچھ برداشت کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے تو سیاست کے میدان کو خالی چھوڑ دیا جائے۔"کیسی ہیں مس علشبہ" وہ کافی کمزور اور زردی لگ رہی تھی۔۔سبھی کلاس میں بیٹھے لیکچرار کا انتظار کر رہے تھے۔۔وہ سب سہیلیوں سے مل کر اپنی جگہ پر بیٹھ چکی تھی اس کے سیدھے ہاتھ پر ولید حسن بیٹھا اپنی ڈائری میں کچھ لکھ رہا تھا۔۔وہ علشبہ کو دیکھ کر بڑے خلوص سے مسکرانے لگا۔۔اور جب علشبہ کی نظریں ولید حسن کی نظروں سے ٹکرائیں تب اس نے خیریت دریافت کرنا مناسب سمجھتے ہوئے اس کی طبیعت پوچھی تھی۔۔

"اللہ کا شکر ہے میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔۔جس بازو میں گولی لگی تھی اس سے۔۔کام کرتے ہوئے کچھ تکلیف ہوتی ہے۔۔لیکن ڈاکٹرز کے مطابق ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ سب سے یہی کہہ رہی تھی۔۔

"مسٹر ولید جس طرح اپنی جان خطرے میں ڈال کر آپ نے میری جان بچائی میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرسکوں۔۔۔میرے والدین بھی آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔"

"ارے مس! ایسی کوئی بات نہیں آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو میں اسے اکیلا خطرے میں کبھی بھی نہ

چھوڑتا۔" وہ شرمندہ سا اسے دیکھتے ہوئے جواب میں بولا۔۔تو علشبہ دھیمے سے مسکرا کر غیر محسوس سے انداز میں اسے جاتے ہوئے میٹھی نظروں سے دیکھنے لگی "سچ کہتی ہوں آپ جیسے لوگ دنیا میں بہت ہی کم رہ گیے ہیں۔۔۔ولید حسن صاحب۔" وہ اسے دل میں مخاطب کر کے بولی۔

☆......☆......☆

"شادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے بیٹا؟" علشبہ کی والدہ نے سرسری انداز میں اس سے پوچھا۔علیشبہ کے والدین کی پرزور دعوت پر وہ آج ان کے گھر میں تھا۔۔بہت ہیں پرلطف اور پر تکلف کھانے کے بعد۔۔وہ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر قہوہ پی رہے تھے۔۔تبھی وہ اس کی والدہ کے سوال پر گڑ بڑا سا گیا۔ولید حسن نے نوٹ کیا کہ علشبہ بھی اسے بغور دیکھ رہی تھی کہ جیسے اسے بھی اس سوال کے جواب میں گہری دلچسپی ہو۔

"جی آنٹی میں نے ابھی شادی کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچا اور یہ سوچنے والا کام تو میری آپا کا ہے۔۔جب پڑھائی ختم ہوگی تو وہ خود بھی سوچ سمجھ کر میرے بارے میں فیصلہ کرینگی اور مجھے ان کا ہر فیصلہ ظاہری سی بات ہے کہ دل و جان سے قبول ہوگا۔۔کیوں کہ آپا اور بھائی جان کے علاوہ میرا اس دنیا میں اور کوئی بھی نہیں ہے۔۔اور میں خود میں ابھی اتنی اہلیت نہیں پاتا کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کر سکوں۔۔" اس کا مفصل جواب سن کر سب کے چہرے بجھ سے گیے تھے۔۔

"تو بیٹا آپ کی اپنی کوئی پسند نا پسند نہیں ہے؟ قہوے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے علشبہ کے والد نے سوال کیا۔

"جی نہیں انکل! میرا سارا فوکس اپنی پڑھائی پر ہے میں ابھی ان چیزوں کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔" اس کا انداز حتمی تھا۔

"بیٹا ہم ایک بار پھر تمہارا بہت شکریہ ادا کرتے ہیں کہ تم نے ہمارے اوپر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ہماری عمر بھر کی پونجی ہمیں لوٹا دی۔۔علشبہ ہماری اکلوتی اولاد ہے اور ہم میاں بیوی دونوں اسے دیکھ دیکھ کر جی رہے ہیں۔۔اگر خدانخواستہ اس دن علیشبہ کو کچھ ہو جاتا تو ہمارے پاس کچھ بھی نہ رہتا۔۔تم اگر بروقت اسے ہاسپٹل نہ

پہنچاتے تو اس کا بچنا ناممکن تھا۔۔ہم نے سوچا کہ تمہیں کھانے پر بلا کر تمہارا شکریہ ادا کریں۔۔۔تم بہت اچھے بچے ہو یوں ہی ملتے ملاتے رہنا۔" وہ ان کی باتیں سن کر شرمندہ ہو رہا تھا

پھر ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا لیکن علشبہ اسے گاڑی تک چھوڑنے کے لئے باہر آئی تھی۔

"ولید حسن مجھے آپکی آپا سے ملنا ہے۔"

وہ اسکی حیران آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"لیکن کیوں کیا آپا سے آپ نے میری کوئی شکایت لگانی ہے؟" وہ بات کو مذاق میں ٹالنے لگا تھا۔۔

"جی میں نے آپکی شکایت ہی لگانی ہے"

وہ معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے آپکی آپا سے کہنا ہے کہ آپ کے بھائی کی قریب کی نظر بہت کمزور ہے۔۔اسے ایک معقول اور خوبصورت ذہین لڑکی کی آنکھوں میں اپنے لیے۔۔محبت کے جذبات نظر نہیں آ رہے۔۔اس لیے اس لڑکی کو ہی بے باک ہو کر محبت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے۔۔۔کیونکہ اب اس لڑکی میں ہمت نہیں اسے اظہار کرنا بہت عجیب لگ رہا ہے لیکن اب اس سے اپنے جذبات چھپائے نہیں جا رہے۔"

وہ یہ سب کہتے ہوئے نظریں جھکا چکی تھی اور اس کے گالوں پر۔۔پھیلی سرخیاں اس کے اندرونی جذبات کی نمائندگی کر رہی تھیں۔

"وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے لگا تھا۔۔۔لیکن علشبہ کا کھلا ڈلا اظہار محبت اسے ایک لمحے کیلیئے بت سا بنا گیا تھا وہ ساکت سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

"میرے لئے یہ سب کچھ بہت غیر متوقع ہے مس علشبہ۔۔۔جو بات آپ کہہ رہی ہیں میں نے آج تک اس نظر سے کسی لڑکی کو نہیں دیکھا۔۔۔میرے لیے آپ سمیت ساری لڑکیاں بہت قابل احترام ہیں۔۔میری ایک ہی بہن ہے اور وہ بھی مجھ سے بہت بڑی ہیں۔۔لیکن میں جب بھی کسی لڑکی کو دیکھتا ہوں تو یہی سوچتا ہوں کی یہ بھی کسی کی عزت ہے کسی کی بہن ہے۔۔میرے لیے سب لڑکیاں قابل عزت ہیں۔میرے خیال میں آپ کو بھی پڑھائی کی طرف مکمل توجہ دینی چاہیے کیوں کہ آپ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں اور ان کی نظریں

آپ پر ہی لگی ہوئی ہیں۔"

وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا دیا گیا لیکچر سن رہی تھی ۔۔۔اسے ایک فیصد امید بھی نہیں تھی کہ وہ جواب میں ایسی باتیں کرے گا۔۔وہ تو دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ ولید حسن کے لیے یہ انکشاف بہت ہی غیر متوقع اور خوشگوار ہوگا۔۔وہ اس کے منہ سے اعتراف محبت سن کر خوشی سے پھولے نہیں سمائے گا۔۔کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس میں وہ ہر خوبی موجود ہے جو کسی بھی لڑکے کی چاہت ہو سکتی ہے۔۔خوبصورتی اور ذہانت کے علاوہ اس کے باپ کی دولت بھی۔۔بہت بڑا پلس پوائنٹ تھا۔۔لیکن جواب میں وہاں سے لیکچر سنانا شروع کر دے گا یہ بات تو اس نے سوچی ہی نہیں تھی۔

"میرے خیال میں کسی لڑکی کے محبت کے اظہار کے جواب میں آپ کا یہ لیکچر نہیں بنتا تھا۔۔مجھے تو لگ رہا تھا کے آپکے لیے یہ سب کچھ سننا بہت ہی خوشگوار ہوگا۔۔جب کہ آپ جانتے بھی ہیں کہ میرے لئے کالج کے کئی لڑکے دل ہاتھوں میں لئے لائن میں کھڑے ہوتے ہیں۔۔بلکہ لڑکے آپس میں شرط لگا کر میرے ساتھ صرف ایک بات کرنے کیلئے مرے جاتے ہیں۔۔مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے آپ جان بوجھ کر مجھے اگنور کرتے آ رہے ہیں اور اب بھی اگنور کر رہے ہیں۔۔" وہ بھنا کر دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔۔یقیناً یہ اس کی انسلٹ تھی کہ وہ ایک لڑکے سے۔۔محبت کے اظہار میں پہل کرے۔۔اور جواب میں وہ لڑکا اسے سمجھانے لگ جائے کہ تم یہ غلط کر رہی ہو۔

"ایسی بات نہیں ہے مس علشبہ آپ واقعی ایک بہت خوبصورت ذہین اور اچھی لڑکی ہیں۔۔۔لیکن میں خواہ مخواہ آپکو کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔۔۔ان ساری باتوں کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے۔۔ابھی ہمارے سامنے بہت بڑے بڑے مقاصد ہیں۔۔۔جس میں سے سب سے بڑا مقصد انسانیت کی خدمت کے لیے تیاری کرنی ہے۔۔۔مسیحائی سے بڑی صفت اور کوئی نہیں ہے اور ہم مسیحائی کے لئے ہی بنائے گئے ہیں اس لیے ہمیں اپنے مقصد سے ہٹ کر ادھر ادھر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے میں دیگر لڑکیوں کی طرح آپ کی بھی بہت زیادہ عزت کرتا ہوں۔۔۔لیکن محبت ایک بالکل الگ ہی معاملہ ہے میں صاف بات کرنے کا عادی ہوں میں آپ سے محبت نہیں کرتا۔۔۔اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ میں کسی بھی چیز کی کمی ہے۔۔آپ ہر لحاظ سے

محبت کیے جانے کے قابل لڑکی ہیں۔"

وہ بنا یہ سوچے کہ اس خود پسند اور مغرور لڑکی کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی اپنی بات پوری کر کے گاڑی میں بیٹھ چکا تھا وہ۔ وہیں لان میں کھڑی ہو کر اس کی گاڑی کو جاتے ہوئے دور تک دیکھتی رہی۔۔ جب چوکیدار نے گیٹ بند کیا تو وہ ٹوٹے ہوئے قدموں کے ساتھ واپس اندر آ گئی۔۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور دل کی دھڑکنیں بوجھل سی ہو گئی تھیں۔۔

اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اظہار کر کے اس نے اپنی محبت کو اور خود اپنی ذات کو بہت ارزاں کر دیا تھا۔۔ لیکن اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔۔ وہ اتنے شدت کے جذبات اپنے اندر ہی اندر دبا کر بہت مشکل سے جی رہی تھی۔۔۔ اسے لگتا تھا کہ وہ یہ محبت کا بوجھ اٹھا کر اندر سے بہت تھک گئی ہے۔

والدین نے اس کی آنکھوں میں ولید حسن کے لیے بیانتہا محبت دیکھ لی تھی کیونکہ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھے۔۔ اس جیسی خود پسند لڑکی جب کسی سے محبت کرتی ہے تو بہت شدت سے اور ٹوٹ کر کرتی ہے۔۔ ماں باپ کو اس کی محبت کی شدت سے ڈر لگ رہا تھا کیونکہ وہ ولید حسن سے مل کر اندازہ لگا چکے تھے۔۔ کہ لاڈلی اور اکلوتی بیٹی کی محبت یک طرفہ ہے۔۔ اور وہ جہاندیدہ لوگ اچھی طرح باخبر تھے کہ یکطرفہ محبت سے بڑھ کر تکلیف دہ اور کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔۔ لیکن وہ بیٹی کو صاف لفظوں میں سمجھا بھی نہیں سکتے تھے وہ دونوں بے بس تھے۔

☆......☆......☆

"آپا کالج میں ایک لڑکی ہے بہت خوبصورت اور امیر والدین کی اکلوتی بیٹی ہے۔۔" وہ پرسوچ انداز میں بہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔۔ ابھی اس نے پوری بات نہیں کی تھی کہ آپا سنجیدہ انداز میں اسے بغور دیکھتے ہوئے بولیں

"اگر شادی کی بات کرنا چاہتے ہو تو میری طرف سے انکار ہے۔" وہ انہیں چند پل تک تو عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا جیسے کہہ رہا ہو" آپا نے کچھ سنے بغیر ہی اپنا فیصلہ صادر کر دیا؟"

"لیکن آپا آپ نے میری پوری بات سنے بغیر اور اس لڑکی سے ملے بغیر ہی یہ فیصلہ کیوں صادر کر دیا؟" وہ

اب بھی حیران سا بہن کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"بہت امیر والدین کی بیٹی سے میں نے اپنے بھائی کی شادی ہرگز نہیں کرنی ہے یہ بات تم یاد رکھنا۔۔یاد ہے وہ پڑوس والے علیم الحق کی بیوی؟ کتنے بڑے باپ کی بیٹی تھی مگر کیسی چھوٹی چھوٹی باتیں اور حرکتیں کرتی تھی۔علیم الحق کے ماں باپ اسی کی وجہ سے مر گئے تھے۔۔وہ اپنے کتے کے لئے تو اعلیٰ سے اعلیٰ خوراک منگواتی تھی لیکن ساس سسر کو اس کلموہی نے بھوکا مار دیا تھا۔۔دولت کے ساتھ ساتھ اسکو صورت کا بھی غرور تھا۔۔اور وہ چچا ارشاد کی بہو بھی تمہیں اچھی طرح یاد ہو گی۔۔جس نے ساس کو اسٹور روم میں بند کر رکھا تھا۔۔یہ کہہ کر کہ اس کے امیر رشتے دار آتے تھے تو ساس جہالت کی باتیں کرتی تھیں۔

میرے بھائی۔۔تم میرے بچے ہو اور میں تمہاری ماں۔۔اگر کوئی مغرور امیر زادی تیری بیوی بن کر آ گئی تو۔۔مجھے تم سے دور کر دے گی اور یہ مجھے نامنظور ہے۔" آپا نے اپنے دل کی ساری باتیں اسے بتا دی تھیں۔

"وہ چپ چاپ انہیں دیکھے گیا اس پہلو پر تو کبھی اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔۔یہ تو وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ علشبہ اک مغرور اور خود پسند لڑکی ہے۔

لیکن بہن کے بھی کچھ تحفظات ہیں یہ جان کر وہ بھی یہی سب کچھ سوچنے لگا تھا۔۔اسے کوئی اپنی بہن سے دور کرے یہ تو اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں تھا۔۔اور اسے کون سی اس لڑکی سے محبت تھی۔

بس اس کے دل میں اس والد کے لیے گہری ہمدردی جاگ اٹھی تھی۔۔جس نے اسے اپنے آفس میں بلا کر درخواست کی تھی یا فریاد کہ اس کی اکلوتی بیٹی انہیں خوشیوں سے محروم رکھے ہوئے ہے اور ہر رشتے سے صرف اس لیے انکار کر رہی ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔اس نے صاف صاف اپنی ماں اور مجھے دونوں کو بتا دیا ہے کہ وہ شادی کرے گی تو صرف اور صرف تم سے۔۔اچھے سے اچھا رشتہ وہ ٹھکرا رہی ہے۔۔اور وجہ ولید حسن ہے پلیز بیٹا ہم تم سے درخواست کرتے ہیں کہ تم اپنی بہن سے اس بارے میں بات کر لو۔۔۔ہم بہت مجبور ہو کر بالآخر اس فیصلے پر پہنچے ہیں کہ تمہیں بلا کر تم سے بات کی جائے۔"۔ولید حسن کو اس بوڑھے شخص پر بہت زیادہ ترس آ رہا تھا۔۔اسی لیے اس نے بہن سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر آپا کے اس جواب نے اسے بھی اس معاملے میں سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر کل کو یہ رشتہ بہن بھائی میں جدائی کا سبب بن گیا تو اس کے پاس کیا بچے

گا۔اس نے علشبہ اور آپا کی اک ملاقات کروانے کا سوچ رکھا تھا لیکن اب آپا کی باتوں اور ان کے تحفظات کو جان کر اسے یہ سارے زمینی حقائق بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

"آج ایک لڑکی آئی تھی۔۔۔ مجھ سے ملنے۔۔بتا رہی تھی کہ تمہارے ساتھ پڑھتی ہے۔" آپا کا انداز سرسری تھا یوں کہ جیسے یہ ان کے لیے کوئی نئی بات نہ ہو روز اس سے ملنے مختلف لڑکیاں آتی ہوں۔

"بہت پیاری سی لڑکی تھی اور بہت عزت دار گھرانے کی لگ رہی تھی وہ۔۔۔ یہ کارڈ دے گئی ہے۔۔۔پرسوں شام کو اس کی سالگرہ ہے اور اس نے بہت اصرار سے کہا کہ میں اور تم اس تقریب میں شرکت کریں۔" آپا پرسوچ انداز میں گویا ہوئیں تو وہ چونک سا گیا۔

"شکل وصورت کیسی تھی اس کی آپا؟"

"ارے بڑے بڑے ریشمی بال یہ اونچا لمبا قد خوبصورت آنکھیں کچھ نشیلی سی کچھ شربتی سی لگ رہی تھیں اور چہرے کی رنگت ایسی دودھیا سفید کہ لگے منہ پر ڈھیر سارا پاوڈر مل رکھا ہو۔۔میں نے منہ کی سفیدی دیکھ کر سوچا تھا کہ لڑکی نے خوب میک اپ تھوپ رکھا ہے لیکن جب ہاتھ پاؤں دیکھے تو وہ بھی منہ کے ہم رنگ ہی نکلے۔۔" آپا کچھ زیادہ ہی موڈ میں لگ رہی تھیں اسلئے تو بولتی ہی جا رہی تھیں۔۔۔ولید حسن کا ماتھا ٹھنکا وہ جو حلیہ بتا رہی تھیں وہ ہو بہو علشبہ کا تھا۔

"اوہ مجھے لگ رہا ہے کہ وہ علشبہ ہی تھی۔۔۔آپا وہی لڑکی جس کے بارے میں آپ سے بات کی تھی اور آپ نے ایسا خوفناک نقشہ کھینچا اپنی باتوں سے کہ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔۔۔ارے وہی جن کے بارے میں میں نے آپ سے کہا تھا کہ اگر کسی امیر لڑکی سے شادی کرلوں تو؟" اس کی وضاحت پر آپا ہنس دیں۔

"ارے تم نے مجھے یہ کب بتایا تھا کہ وہ اتنی خوبصورت بھی ہے۔۔۔ذرا تفصیل سے اس کے نین نقش، رنگت، قد، اور بالوں کے بارے میں بتا دیتے تو پھر میں کچھ سوچتی بھی۔" وہ آپا کے بیان بدلنے پر حیرانگی سے انھیں دیکھ رہا تھا۔

"آپا وہ جو آپ کے الفاظ تھے۔۔وہ مجھے یاد ہیں کیا انہیں دھرا دوں وہ علیم الحق کی بیوی اور اور ___؟"

اس کے بھنائے ہوئے انداز پر آپا اسے گھورنے لگیں۔

"تو پھر کیا پروگرام ہے سالگرہ میں شرکت کریں گی یا نہیں"؟ اس نے سرسری اور غیر محسوس انداز میں آپا کا عندیہ لینا چاہا۔

"ہاں میں تو ضرور جاؤں گی۔۔۔ اتنی محبت سے بے چاری بلاوا دے گئی ہے۔۔ اور میں نے تمہیں یہ تو بتایا ہی نہیں وہ میرے لیے اک قیمتی اور پیاری سی شال بھی تحفے میں لائی ہے۔" آپا نے اک اور انکشاف کیا۔

"ہاں تو آپا قیمتی ہو گی تو پیاری بھی ضرور ہو گی آپ کی شال۔" اسے یاد آیا کہ کچھ دن پہلے وہ سب کینٹین میں ایک ساتھی کی منگنی کی ٹریٹ لے رہے تھے کہ اسے یاد آیا آج آپا کی سالگرہ ہے۔ اس نے سموسہ اور اپنا کولڈ ڈرنک کا ٹن اٹھا کر جانے کی اجازت چاہی تو سبھی شور مچانے لگے کہ "ابھی تو ٹھہرو ابھی گانوں کا مقابلہ تو رہتا ہے۔" علشبہ بھی اسے روکنا چاہ رہی تھی لیکن یہ سوچ کر چپ تھی کہ وہ نہ رکا تو اسے سب کے سامنے خواہ مخواہ شرمندگی ہو گی۔ "سوری دوستو آج میری آپا جانو کی سالگرہ ہے اور میں نے پہلے ان کے لیے گفٹ خریدنا ہے اور پھر بہنوئی کے سرپرائز میں ان کا ساتھ دے کر آپا کے لیے اک خوبصورت سے ڈنر کا پروگرام سیٹ کرنا ہے۔"

"ارے خواتین کے لیے تحفے خریدنے کوئی مشکل کام نہیں بس ایک شاپ کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے مہنگا سا اک پرفیوم خریدو اور آپا جی خوش۔" یہ رمیض تھا جس کی چار بہنیں تھیں اسی لیے سب اسے چھیڑتے کہ تم بہنوں کے ساتھ شاپنگ کرتے کرتے بیگم کے لیے خوب ٹریننگ حاصل کر چکے ہو۔

"ارے میری آپا کی پسند بہت مشکل ہے۔" وہ سموسہ ختم کر کے ٹشو پیپر سے ہاتھ کی چکنائی پونچھتے ہوئے بولا۔

"انہیں صرف اور صرف نفیس اور مہنگی شالز پسند ہیں اور ان کی پسند کی شال مجھے دس قسم کی شاپس میں جھک مارنے کے بعد ہی ملے گی۔۔۔ اس لیے مجھے جانا ہو گا۔" اس نے ٹن کھول کر منہ سے لگایا اور سب کو ہاتھ ہلا کر ٹاٹا کرتے ہوئے نکل گیا۔ علشبہ اسے دور تک جاتا دیکھتی رہی۔۔۔ سب اس کی طرف متوجہ تھے۔۔ کچھ دیر پہلے تک چہکنے والی علشبہ اب بالکل چپ ہو گئی تھی۔۔ کسی کا ساتھ ہی اکثر اوقات ہمارے لیے ساری رونق کا باعث ہوتا اور کسی کا نہ ہونا بھی ہمارے لیے ہر قسم کی خوشی سے کٹ جانے کا باعث بن جاتا ہے۔

اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے مزاج کے سب رنگ اک شخص کے ہونے یا نہ ہونے سے ہی بدلتے ہیں۔۔وہ سامنے ہوتا تو سرخ سبز اور نارنجی رنگ اس کے آس پاس ناچتے رہتے وہ اٹھ کر چلا جاتا تو خوشی کے سارے رنگوں پر کالا رنگ حاوی ہو جاتا سارے رنگ بدل جاتے جیسے رنگساز رنگوں میں رنگ ملا کر اپنی پسند کا نیا رنگ بنا لیتا تھا ویسے ہی اس کا وجود جاتے جاتے سارے شوخ رنگوں میں کالا رنگ ملا جاتا تھا۔۔۔وہ بجھے بجھے رنگوں میں گھری کالے رنگ کو اپنے سارے وجود پر حاوی پاتی جیسے کسی نے کٹورے بھر بھر کر اس پر یہ رنگ انڈیل دیا ہو۔۔

ولید حسن آپا کے ہاتھ میں پکڑی قیمتی شال دیکھ کر سوچ رہا تھا۔"تو تم نے میری آپا کا دل جیتنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ اب دیکھتے ہیں کہ آپا کیا فیصلہ کرتی ہیں۔۔وہ خود اپنے خالی دل کے ساتھ منتظر تھا اگلے فیصلے کا جو قسمت کا فیصلہ ہوتا ہے لیکن انسان اسے اپنا فیصلہ سمجھ کر خواہ مخواہ کریڈٹ لے لیتے ہیں۔

☆......☆......☆

اس کی محبت ولید حسن کے لیے اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ پڑھائی کے دوران سارے کالج کو پتہ چل گیا تھا کہ علشبہ۔۔ولید حسن کی دیوانی ہے۔۔۔وہ ہمہ وقت اسی میں رہتی تھی۔۔جب وہ سامنے ہوتا تو علشبہ بے خودی سے اسے ہی دیکھے جاتی۔۔۔وہ بولتا تو سب سے زیادہ توجہ سے وہ ہی اس کی بات سنتی وہ ہنستا تو مسکراہٹ علشبہ کے لبوں پر جم سی جاتی تھی۔۔جس دن وہ کم بولتا تو علشبہ کو چپ لگ جاتی تھی۔۔۔اور اس کی اداسی تو جیسے اس کے لیے موت کا فیصلہ بن جاتی وہ اس وقت تک اندر ہی اندر تڑپتی رہتی جب تک اس کی اداسی اور خاموشی ختم نہ ہوتی۔۔جانے کیسا پیار تھا کہ وہ مغرور لڑکی اپنا سب کچھ کھو چکی تھی۔اپنی انا اپنی خود پسندی اپنا غرور سب کچھ بھول کر اسے یاد تھا تو فقط ولید حسن اور اس کا ہر انداز۔۔کالج کے سب لڑکے اس کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔۔لیکن وہ بے حسی سے سب کچھ نظر انداز کرتا رہتا تھا۔علشبہ کو اپنا وجود بہت ہی بے مایہ سا لگتا تھا جب وہ بہت پیار سے خریدا گیا اس کا کوئی قیمتی تحفہ یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ یہ تحفہ میری اوقات سے بہت زیادہ ہے۔"

وہ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچتی۔"تمہیں کیا خبر کہ تمہاری اوقات کیا ہے۔۔۔تم علشبہ کے دل کے واحد مکین ہو۔۔جس دل میں تم بسے ہو اس میں کسی اور کی گنجائش ہی نہیں ہے تمہارے لیے اس سے

بڑھ کر غرور کی بات کیا ہوگی کہ۔۔۔ایک ایسی لڑکی تمہیں چاہتی ہے جس کے خواب سارا زمانہ دیتا ہے۔۔جو وفا کی راہ کی ایسی مسافر ہے کہ جس کے پاؤں۔۔یکطرفہ محبت کے کانٹوں نے لہولہو کر دیے ہیں لیکن پھر بھی وہ ثابت قدم اپنے سفر پر رواں دواں ہے کہیں تھک کر بیٹھتی ہے نہ زخموں سے گھبرا کر کہیں سستاتی ہے۔۔ایسے لوگوں کی تو دل والے بہت قدر کرتے ہیں جن کے دامن میں سچی چاہتوں کے ایسے سدا بہار پھول ہوں کہ جو کبھی نہ مرجھائیں۔۔لیکن شاید یہ کسی دل جلے کی بددعا ہی ہے کہ میں سچی محبت کے لیے ترس رہی ہوں۔۔۔میں نے بھی تو بہت سے چاہنے والوں کے دل توڑے ہیں اپنے غرور اپنی خود پسندی کے ہتھیاروں کو اپنے چاہنے والوں کے خلاف جی بھر کر استعمال کیا۔ہے۔

"ولید حسن!تم اتنے سنگدل لگتے تو نہیں ہو۔جتنا سخت دل تم نے میرے معاملے میں کیا ہوا ہے؟چلو مان لیا کہ تم پتھر دل ہو لیکن۔۔۔پتھر بھی مسلسل گرنے والے قطرہ قطرہ پانی سے ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔ میری محبت کی شبنم تمہارے پتھر دل کو نرم نہیں کر سکی۔۔۔تو ایسی محبت کا کیا کروں کہ جو شبنم ہے نہ بارش۔۔بس ایک کرب مسلسل ہے۔۔۔پیہم درد ہی درد ہے۔۔۔۔ میں اس محبت کے بوجھ کو دل پر اٹھائے تھک چکی ہوں۔۔۔۔ مجھے کچھ دیر ستانے کی ضرورت ہے۔۔۔میں چند لمحوں کے لیے اس بوجھ سے آزادی پا کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ شاید میں اس بوجھ کے بغیر زندگی گزار سکوں۔۔اور اگر اس بوجھ کے بنا چین نہ پایا تو پھر لوٹ آؤں گی۔۔۔۔

وہ رات کی تنہائیوں میں اک نظم سنتی اور ساتھ ساتھ شعر دہراتی رہتی۔آنسو بہاتی رہتی جب سے محبت کی کانٹوں بھری راہگور پر قدم رکھا تھا تب سے ولید حسن کا خیال اور یہ نظم اس کی تنہائیوں کی ساتھی تھی۔

سائیاں میرے بی بے سائیاں

سائیاں ہر سو درد بہت

موسم موسم سرد بہت

راستہ راستہ گرد بہت

چہرہ چہرہ زرد بہت
اور ستم ڈھانے کی خاطر
تیرا اک اک فرد بہت

سائیاں تیرے شہر بہت
گلی گلی میں زہر بہت
خوف زدہ ہے دہر بہت
اس پر تیرا قہر بہت
کالی راتیں اتنی کیوں
ہم کو ایک ہی پہر بہت

سائیاں دل مجبور بہت
روح بھی چور و چور بہت
پیشانی بے نور بہت
اور لمحے مغرور بہت
ایسے مشکل عالم میں
تو بھی ہم سے دور بہت

سائیاں راہیں تنگ بہت
دل کم ہیں اور سنگ بہت
پھر بھی تیرے رنگ بہت

خلقت ساری تنگ بہت
سائیاں تم کو آتے ہیں
بہلانے کے ڈھنگ بہت

سائیاں میرے تارے گم
رات کے چند سہارے گم
سارے جان سے پیارے گم
آنکھیں گم نظارے گم
ریت میں آنسو ڈوب گے
راکھ میں ہوے شرارے گم

سائیاں میری راتیں گم
ساون اور برساتیں گم
لب گم گشتہ باتیں گم
بینائی گم جھاتیں گم
جیون کے اس صحرا میں
سب جتیں، سب ماتیں گم

سائیاں جان بیمار ہوئی
صدموں سے دوچار ہوئی
ہر شے سے بیزار ہوئی

پریتم دل آزار ہوئی

ہر اک سپنا سنگ ہوا

ہر خواہش دیوار ہوئی

سائیاں رشتے ٹوٹ گئے

سائیاں اپنے چھوٹ گئے

سچ گئے اور جھوٹ گئے

تیز مقدر پھوٹ گئے

جانے کیسے ڈاکو تھے جو

لٹے ہوؤں کو لوٹ گئے

سائیاں خواب اداس ہوئے

سرخ گلاب اداس ہوئے

دل بے تاب اداس ہوئے

دور سحاب اداس ہوئے

جب سے صحرا چھوڑ دیا

ریت، سراب اداس ہوئے

سائیاں تنہا شاموں میں

پچنے گے ہیں باموں میں

چاہت کے الزاموں میں

شامل ہوے غلاموں میں
اپنی ذات نہ ذاتوں میں
اپنا نام نہ ناموں میں

سائیاں ویرانی کے صدقے
اپنی یزدانی کے صدقے
جبر انسانی کے صدقے
لمبی زندانی کے صدقے
سائیاں میرے اچھے سائیاں
اپنی رحمانی کے صدقے

سائیاں میرا درد گھٹا
سائیاں میرے زخم بجھا
سائیاں میرے عیب مٹا
سائیاں کوئی نوید سنا
اتنے کالے موسم میں
سائیاں اپنا آپ دیکھا

سائیاں میرے اچھے سائیاں
سائیاں میرے ڈولے سائیاں
سائیاں میرے پیارے سائیاں

سائیاں میرے پیے سائیاں

میرے من میں دیپ جلا سائیں
کبھی رات اندھیری بھی ٹوٹے
کبھی صبح صادق بھی پھوٹے
کبھی چمکے تیری ضیا سائیں
میرے من میں دیپ جلا سائیں

ہو رنج بہاراں جیسا بھی
ہو بادو باراں جیسا بھی
ہو جتنی تیز ہوا سائیں
میرے من میں دیپ جلا سائیں

کبھی جھوٹ نہ بول سکو مولا
کبھی کفر نہ تول سکو مولا
میں کروں ہمیش وفا سائیں
میرے من میں دیپ جلا سائیں

جبار قہار خدا سائیں
رحمن رحیم سدا سائیں
میرے بے پروا خفا سائیں

میرے من میں دیپ جلا سائیں

سب پردے آپ ہٹا سائیں
سب ظلمت آپ مٹا سائیں
سب راستے آپ دِکھا سائیں
میرے من میں دیپ جلا سائیں
میری تجھ سے یہی دعا سائیں

اور پھر ایک دن وہ ہر گھڑی نظروں ہی نظروں میں اس کا طواف کرنے والی مغرور اور خود پسند لڑکی علشبہ باہر چلی گئی۔۔۔والدین کی خواہش کی تکمیل تو فقط بہانہ تھی وہ تو بس ایک خواہش کے زیر اثر تھی۔۔۔ولید حسن اور اس کی محبت کی زور آور خواہش۔۔۔جو کبھی کبھی اتنی پر زور ہوتی کہ اس کے سارے وجود کو بہا کر لے جاتی وہ اس خواہش کے بھنور سے نکلنے کی کوشش کرتی لیکن اسے ساحل پر اچھالنے والا سمندر بھی اس خواہش کے سامنے چھوٹا سا لگنے لگتا۔۔۔وہ تپتی ریت پر یوں چلتی جیسے کوئی شہزادی گلابوں بھری راہگزر پر چلتی ہے۔۔

وہ جانے سے پہلے ولید حسن سے ملنے آئی تھی۔

"تو آپ جا رہی ہیں؟" وہ دونوں ہاسپٹل کی کینٹین میں بیٹھے تھے۔اس کا جی چاہا اسے کہے۔۔

" یوں آپ کہہ کر مجھے اتنا اجنبی نہ کیا کرو ولید حسن کہ میں خود کو بھی نہ پہچان سکوں" لیکن وہ کچھ نہ کہہ پائی

"جانا تو ہوگا۔۔۔کوئی روکنے والا نہ ہو تو جانا تو پڑتا ہے۔۔ " اس کے لہجے کی حسرت محسوس کر کے ولید حسن بھی اداس ہو گیا تھا

"کب تک لوٹیں گی آپ؟"

"دیکھوں گی کہ کب تک روح کے بغیر جسم گلتا سڑتا نہیں ہے۔۔۔جب بات برداشت سے باہر ہو جائے تو۔۔۔روح تک رسائی ضروری ہو جائے گی۔"

''روح تو جسم کو واپس نہیں ملتی یا بدن میں رہتی ہے یا نہیں رہتی۔'' ولید حسن نے کہا تو وہ سسکنے والے انداز میں ہنسی۔

''کبھی کبھی معجزے بھی تو ہوتے ہیں نا؟ میں بھی انہی معجزوں کی منتظر رہتی ہوں۔۔۔'' وہ اس کی آنکھوں میں پھیلے دکھ کے کاجل کو بہتا نہیں دیکھ سکتا تھا اس کے لیے تو دیدہ بینا چاہیے۔۔

''رابطہ تو رکھیں گے نا؟'' اس کی آنکھوں میں اک آس تھی

''کیوں نہیں جب بھی فون کرو گی۔۔۔ضرور بات ہوگی۔''

''اور اگر فون میں نہ کروں تو۔۔؟

اس کی سوالیہ نظروں سے آنکھیں چرا کر وہ اس سوال کا جواب نہ دے پایا۔

وہ پیلے رنگ کے لباس میں ملبوس خزاں کے موسم میں شام کی ڈھلتی دھوپ جیسی لگ رہی تھی۔۔ ولید حسن نے سوچا یہ تو صبح کے ستارے سی۔۔۔روشن اور اجلی اجلی سی تھی۔۔۔خود کو ایسا روگ لگا بیٹھی ہے کہ اس کا رنگ روپ ہی اجڑ گیا ہے نہ وہ گالوں کی لالیاں ہیں نہ وہ ہونٹوں کی مہکتی کلیاں ہیں۔۔نہ وہ ہنسی نہ وہ مسکراہٹیں۔۔۔ہیں نہ وہ اس کی اٹھی ہوئی گردن کا ہلکا سا خم ہے نہ اب وہ اس کی سنواری ہوئی زلفوں کی الجھی ہوئی سی لٹ اس کے چہرے کا طواف کرتی ہے نہ اس کی آنکھوں کے جگنو حسب سابق چمکتے ہیں۔۔۔جو بھولے ہوؤں کو راستہ دکھاتی تھی وہ روشنی بجھ چکی تھی۔

'' تم ہر وقت پیلا رنگ کیوں پہنے رکھتی ہو؟'' اس کے سوال پر وہ تو لفظ تم کے سرور میں جھومنے لگی تھی۔۔۔''ہائے اس نے مجھے تم کہا۔۔۔یہ تو واحد کا صیغہ ہے مطلب یہ کہ بس میں فقط میں ہی میں۔۔۔کوئی میرے جیسا نہیں؟ وہ مسروری اسے دیکھنے لگی۔

ولید حسن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ صرف اس کے تم کہنے پر اپنی مرضی کا مطلب نکال کر اتنی خوش ہے۔۔۔

''پیلا رنگ مجھے اپنے جیسا لگتا ہے اداس اور بجھا بجھا۔۔۔اور یہ مشابہت ہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے لازم ہو گئے ہیں۔۔۔شاید پیلے رنگ کو بھی میں اچھی لگتی ہوں۔۔۔اسی لیے تو میرے سارے وجود کو اپنے

رنگ میں رنگ لیا ہے۔۔۔"

"چائے ٹھنڈی ہوگئی ہے" ولید حسن نے اس کی پیالی کی طرف اشارہ کیا تو اس نے بے دلی سے پیالی ہونٹوں سے ہوں لگا لی جیسے سقراط نے زہر کا پیالا لبوں سے لگایا ہوگا۔۔۔کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جب چائے ختم ہوگی تو ملاقات بھی اختتام پذیر ہو جائے گی۔۔۔

وہ کاؤنٹر پر بل دینے گیا تو سامنے لگے شیشے میں اپنی پشت کی طرف کا منظر اسے حیران کر گیا۔۔وہ اپنے سامنے رکھی پیالی کے بجائے۔۔۔ولید حسن کی چھوڑی ہوئی پیالی سے ہونٹ لگائے اس کی بچی ہوئی چائے پی رہی تھی۔۔۔اسی جگہ پر ہونٹ رکھے جہاں سے اس نے چائے پی تھی۔۔۔

وہ انجان بنا خاموشی سے کھڑا رہا۔۔۔چوں کہ وہ خود بہت حساس دل کا مالک تھا اس لیے اس پاگل لڑکی کے پاگل پن کے مظاہرے نے اسے اندر سے اداس کر دیا تھا۔۔

"اے کاش اس پاگل لڑکی کو زندگی میں کوئی ایسا مل جائے جو مجھ سے بہت زیادہ اچھا ہو ہر لحاظ سے۔۔جو اسے ٹوٹ کر چاہے۔۔جو اسکی قدر کرے جو اسکے اندر کے سارے ارمانوں کی زندہ تصویر ہو۔۔۔جو اس کی اداس آنکھوں میں خوشی کی روشنی بن کر بس جائے۔۔۔یہ درد یہ ملال اس پر بجتا نہیں۔"

وہ بہت سچے دل سے دعاؤں میں اس کے لیے خوشیاں مانگ رہا تھا۔

"میں آپ کو چھوڑنے آؤں گا فلائیٹ کتنے بجے کی ہے؟"

"چھوڑنے؟" وہ استہزاء آمیز ہنسی ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"چھوڑا تو انہیں جاتا ہے جنہیں قبول کرتے ہیں۔۔۔آپ نے تو مجھے قبول ہی نہیں کیا تو چھوڑیں گے کیا؟"

وہ کیا کہتا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔۔

"ولید حسن! مجھ سے برداشت نہیں ہوگا کہ آپ کھڑے ہوں اور مڑ کر دیکھے بنا چلی جاؤں۔۔۔اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر مڑ کر دیکھا تو پتھر کی ہو جاؤں گی۔۔۔سو آپ مجھے یہیں سے الوداع کہہ دیں" اس اپنا نازک سا ہاتھ آگے کیا مصافحے کے لیے۔۔۔ولید حسن نے جھجکتے ہوئے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔

”چلو اب میں یہ کہہ کر خود کو تسلی تو دے سکتی ہوں کہ ساری عمر کے لیے نہ سہی ایک بار آپ نے میرا ہاتھ تھاما تو تھا۔“

اس کے لہجے کی حسرت ولید حسن کو ایک بار پھر اداس کر گئی۔وہ چلی گئی لیکن ولید سے رابطے میں ضرور رہتی تھی۔۔ولید بھی اس سے یہ سوچ کر وقت بے وقت بات کر لیتا کہ کم از کم اتنی محبت کرنے والی اس لڑکی سے یہ استحقاق تو نہیں چھیننا چاہیے۔

☆......☆......☆

”اے مستراب اُٹھ بھی جاؤ“ سارا نے بیزار لہجے میں اسے پکارا وہ تو ایسا بے خبر سو رہا تھا کہ جیسے برسوں کے رت جگوں کے بعد سونے کا موقع ملا ہوا۔۔۔

”ارے بچے ! یہ آپ کا شوہر تو کچھ زیادہ ہی محبت نہیں کرتا آپ سے؟“ شیداں افیون کے نشے کے اثر سے نکل آئی تھی اس کے سوال پر سارا نے اسے گھور کر دیکھا اور جلے بھنے لہجے میں کہا۔

شیداں بی بی! اب کہ جب بھی میکے آئی تو میکے آنے سے پہلے ان کو میں افیون کھلا کر آؤں گی تا کہ دو دن تک بے خبر سوتے رہیں۔۔کوئی مرے یا جیے ان کی بلا سے۔“ شیداں شرمندہ سی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”بہت درد ہوتا ہے بی بی۔۔۔جسم میں بھی اور____ اور روح میں بھی۔۔۔اندر تو کسی کو دکھائی نہیں دیتا نا۔۔۔میرا اندر ایسا نیلو نیل ہے کہ اس نشے کے بغیر دو دن بھی یہ درد برداشت نہ کر سکوں۔۔۔اب تو موت کا مزہ ہی اس نشے سے پیچھا چھڑائے گا۔“ وہ اپنی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو ملگجی سی اوڑھنی میں جذب کرتی کچن کی طرف چل پڑی۔

سارا کا دل اس کے درد پر دکھ گیا اک عمر گزر گئی تھی اسے بیوہ ہوئے لیکن وہ اپنے شوہر کی جدائی کا دکھ سہنے کی طاقت اب تک اپنے آپ میں پیدا نہیں کر سکی تھی تبھی تو افیون کے نشے میں اپنے دکھوں کو بھولنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

اب تیسری بار تھی کہ وہ اندر آ کر اسے اٹھا رہی تھی۔۔۔کہ وہ خود کچھ کھا پی سکے کیونکہ۔جیسے ہی شیداں سے چائے کی پیالی مانگی وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

" کیا ہوا ہے؟ میں نے آپ سے افیون نہیں چائے مانگی ہے۔۔۔ کیوں آنکھیں پھیلا رہی ہو؟"

"توبہ ہے بی بی آپ بھی سادہ کی سادہ ہی رہیں۔۔۔ نئی نئی شادی ہوئی ہے داماد جی کو اپنی عادت ڈالیں۔۔۔ انہیں یہ احساس دلائیں کہ ان کے بغیر ناشتہ نہیں کرتیں کھانا سامنے پڑا ہوتا ہے لیکن نوالہ اندر نہیں جاتا کہ آپ آئیں گے تو کھانا پینا کروں گی۔" وہ اسے شوہر کے دل میں اترنے کے گر بتانے لگی۔

"ارے مجھ سے نہیں ہوتے یہ چونچلے یہ جھوٹ موٹ کے ڈرامے۔۔۔ بھوک لگے تو میں بندہ بھی کھا جاؤں سامنے کھانا دیکھ کر کیسے بھوک کنٹرول کروں گی کیسے ضبط کروں گی؟ شوہر نہ ہوا جن ہو گیا ہر وقت اعصاب پر سوار رکھو اسے۔۔" چائے تو پی لی لیکن ناشتہ اس کے اٹھنے سے پہلے ملنے والا نہیں تھا۔۔۔ اور اسے صبح کی روشنی ہوتے ہی ماں کے پاس جانے کی جلدی لگ گئی تھی۔۔۔ اور اس کے بغیر ہاسپٹل بھی نہیں جا سکتی تھی۔۔

"اب اگر نہ اٹھے تو میں کمبل کھینچ لوں گی۔" اس نے دھمکی دی وہ الٹا لیٹا ہوا تھا سارا نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا اور اس نے کروٹ بدلی تو وہ جو اس پر جھکی ہوئی تھی ولید کا چہرہ اس کے بالکل قریب آ گیا وہ آنکھیں کھولے اسے گھورنے لگا تھا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہو گئی

"مانا کہ میں بہت خوبصورت ہوں سمارٹ ہوں۔۔۔ خوش اخلاق اور زندہ دل بھی ہوں۔۔۔ لیکن یار ایسی بھی کیا بے صبری کہ چوری چوری جھک جھک کر میرے حسن کے نظاروں سے فیض یاب ہوا جائے؟ چند منٹ میں اٹھنے ہی والا تھا تھوڑا دل پر ضبط کر لیتیں۔۔۔ اٹھ جاتا تو بغور سر سے پاؤں تک دیکھ کر اپنی آنکھوں کی پیاس بجھا لیتیں۔۔۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں نہ ہوتا تو یہ لڑکیوں کی زندگی میں بہاریں کہاں سے آتیں۔" وہ مغرور انداز میں بولا تو سارا کو تو جیسے آگ لگ گئی۔

"ارے ارے منہ دھو رکھیے اپنا۔۔۔ یہ منہ اور مسور کی دال خوش فہمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے آپ نے تو ساری حدود ہی پار کر لیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ چکا تھا

"ارے اس لیے تو منہ نہیں دھوتا کہ بغیر دھلے منہ کے نظاروں کے لیے لوگ جھک جھک کر مرے جاتے ہیں اگر دھو لیا تو لوگ کہیں یہ نہ کہہ دیں۔۔۔ اپنا یہ حسین و جمیل منہ مجھے دے دیں میں اپنے منہ پر آپ کا منہ سجاتی ہوں"

اس کے مذاق پر وہ غصے سے اسے گھورنے لگی۔۔۔وہ اپنا فون اٹھا کر ٹائم دیکھ رہا کہ تھا سارا کو رات والی فون کال یاد آئی۔

''آپ کی کسی سابقہ فین کا فون تھا۔۔انہی جیسی لڑکیوں نے شاید دماغ خراب کر رکھا ہے آپ کا۔۔اب چلیے ناشتہ کرتے ہیں '' وہ علشبہ کی کال کی ہسٹری دیکھنے لگا۔

''وہ کہہ رہی تھی کہ میں آ کر کیسے آپکی زندگی سے اس لڑکی کو نکالتی ہوں'' سارا نے اپنی طرف انگلی کر کے اشارہ کیا۔۔تو وہ سر کھجانے لگا۔

''آپ نے کیا جواب دیا پھر علشبہ کو؟''

وہ پچھلے بیس منٹ سے شیداں کے ہاتھ کے بنے ورقی پراٹھوں سے انصاف کر رہا تھا۔۔اور اس کے ساتھ ناانصافی۔۔۔کیونکہ جیسے ہی شیداں گرم پراٹھا لے کر آتی وہ راستے میں ہی اچک لیتا۔۔سارا کو شیداں پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا جو۔۔ہمیشہ منتیں کر کے اسے کھلانے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔۔لیکن آج تو وہ اسے ایسے نظرانداز کر رہی تھی کہ جیسے ٹیبل پر صرف اور صرف ولید حسن بیٹھا ہوا ہو۔۔کبھی اس کے لیے مکھن لا رہی ہے تو کبھی آملیٹ بنا کر'' سارا نے اس کی طرف گھورتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔۔''ٹھیک ہے شیداں بی بی دیکھو کہ میں تمہارے ساتھ کرتی کیا ہوں؟ تم سے انتقام لینے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ تمہاری افیون چھپا لوں۔۔۔'' ولید حسن اس کی بڑبڑاہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے بڑے مزے سے ناشتے میں مصروف تھا۔'' شیداں جی! یہ لیں یہ آپ کا انعام ہے۔'' اس نے 1000 کا نوٹ جیب سے نکال کر شیداں کو پکڑاتے ہوئے کہا۔''میں نے زندگی میں کبھی اتنا اچھا اور مزیدار ناشتہ نہیں کیا۔۔آپ تو کمال کرتی ہو یار۔۔خدارا اپنا یہ سارا ہنر آپ اپنی اس بی بی کو بھی سکھا دیں ایسا ناشتہ اگر انہوں نے مجھے بنا کر دیا تو میں تو دن رات ان کے ہاتھ چوما کروں گا۔'' سارا اسے گھورنے لگی

اور شیداں تو ہواؤں میں اڑنے رہی تھی کہ داماد جی کو اس کے ہاتھ کا ناشتہ پسند آ گیا تھا۔

شیداں کے جانے کے بعد وہ اس سے پوچھ رہا تھا کہ علشبہ کو جواب میں کیا کہا؟''

ایسے لوگوں سے میں سوال جواب کر کے اپنا موڈ کیوں خراب کرتی؟۔۔آپ جانیں اور آپ کی گرل

فرینڈز جانے۔'' وہ لاپرواہی سے بولی تو اس نے چونک کر اسے دیکھا سارا کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ جیلس ہو رہی ہے یا نہیں۔

''گرل فرینڈز؟ مگر آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ وہ میری گرل فرینڈ ہے۔''

ہاں یہ تو میں جانتی ہوں کہ بہن تو آپ کی ایک ہی ہیں جن کا نام علشبہ نہیں ہے۔۔اور باقی چچا ماموں کی بیٹی بھی نہیں ہیں تو عورت اور مرد کے درمیان اس کے علاوہ یا تو میاں بیوی کا رشتہ ہوتا ہے یا پھر محبوبہ کا۔جسے انگریزی زبان میں مہذب الفاظ کا پیراہن پہنا کر گرل فرینڈ کہا گیا ہے۔

وہ لاجواب سا اسے دیکھنے لگا۔کہہ تو وہ ٹھیک رہی تھی اس کی طرف سے نہ سہی علشبہ کی طرف سے تو یہ رشتہ مشکوک ہی تھا

ہاسپٹل چلتے ہیں جلدی جلدی ناشتہ کریں آنٹی جاگ چکی ہوں گی۔'' سارا نے خالی پلیٹ کی طرف دیکھا جس میں سے آخری نوالہ بھی وہ چٹ کر گیا تھا۔' اس کا جی چاہا کہے ہاں آپ سے اگر کچھ بچ جائے تو پھر میں بھی ناشتہ کرلوں گی لیکن مروت کے مارے چپ ہی رہی۔۔اور ہاتھ میں پکڑے کپ میں سے چائے پینے لگی اور دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اچھا ہے اس نے میرے ہاتھ سے کپ کھینچ کر چسکیاں لگانی نہیں شروع کر دیں۔۔کچھ دیر پہلے جیسے اس نے ناشتے پر حملہ کیا تھا اس سے تو وہ ڈر ہی گئی تھی اور اسی ڈر کی وجہ سے اپنے چائے کے کپ پر گرفت مضبوط کرلی تھی۔

☆......☆......☆

''تم یہ سب چپ چاپ کیوں سہتی رہیں شگفتہ؟'' ابراہیم نے اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا تو وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔۔۔میرے پاس دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں تھا ابراہیم۔۔ہوش سنبھالتے ہی تائی جان کے ظلم وستم سہتی آئی تھی۔۔لیکن ہمیشہ آپ کے ساتھ نے مجھے ہمت اور حوصلہ دیا تھا۔تائی جان تو ہمیشہ مجھے آپ سے دور کرنے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں۔۔لیکن جانے کون سی کشش تھی آپ میں کہ بچپن ہی سے بہت روکنے کے باوجود آپ کی طرف کھنچی چلی آتی تھی شاید اس کشش کو ہمدردی کا نام دیا جاسکتا ہے۔۔کیوں کہ آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ اچھا سلوک ہی کیا تھا۔تایا جان تو تائی کے سامنے

مجھ سے بات بھی نہیں کرتے تھے اور مومل ۔۔۔ آپ جانتے ہیں وہ تو بالکل تائی جان کا دوسرا روپ تھی ۔۔ ہمیشہ انہی کی طرح جلی کٹی باتیں اور طعنے سننے کو ملتے تھے مجھے اس سے بھی۔بچپن سے ہی وہ مجھے دھتکارتی اور آپ میرے ساتھ کھیلنے لگتے۔" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"کہ کہاں سے وہ مظالم کی داستان شروع کرے جسے سننے اور بتانے کے لیے بھی حوصلہ چاہیے تھا۔

وہ سوالیہ نظروں سے اسے تکے جا رہا تھا

"ان دنوں مومل امتحان دے کر فارغ تھی ۔۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گھر میں کس قدر لڑائی جھگڑوں کے بعد ان کو نوکری کرنے کی اجازت ملی تھی ۔۔ وہ پانچ چھ مہینے سے نوکری کر رہی تھی ۔۔ اور وہ بہت خوش تھی مجھے ان کو خوش دیکھ کر اطمینان ہوتا تھا ۔۔ کیوں کہ جب وہ خوش ہوتی تھی تو مجھ پر بھی اتنی مہربان ہو جاتی تھی کہ خواہ مخواہ کے طعنوں اور لڑائی جھگڑوں سے میری جان چھوٹ جاتی تھی ۔۔ لیکن میری یہ خوشی اور اطمینان زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا ۔۔ کچھ عرصے بعد ہی ان کے مزاج میں بہت ہی منفی قسم کی تبدیلی آنی شروع ہو گئی تھی ۔۔ وہ بات بے بات مجھے جھڑک دیتی تھی میں جو بھی کام کرتی اس کام میں مین میخ نکال کر باتیں سناتی رہتی ۔۔ آپ کو یاد ہوگا آپ ان دنوں میں ٹریننگ پر گئے ہوئے تھے ۔۔ صبح سے لے کر شام تک کام کرتے کرتے میری حالت خراب ہو جاتی تھی لیکن کوئی بھی ۔۔ مجھ سے خوش نظر نہیں آتا تھا میں ان دنوں بہت پریشان تھی اور شدت سے آپ کی واپسی کی دعائیں کر رہی تھی ۔۔ تایا جان کو ان دنوں میں ٹائیفائیڈ ہوا تھا اور وہ مکمل بستر کے ہو کر رہ گئے تھے ۔۔ وہ بہت کم اپنے کمرے سے باہر نکلتے تھے ۔۔ میں نے محسوس کیا کہ مومل ان دنوں میں بہت چپ اور کھوئی کھوئی سی رہنے لگی تھی ۔۔ میرے ساتھ تو وہ زیادہ بات ہی نہیں کرتی تھی کہ میں اس سے وجہ پوچھ سکوں ۔۔ لیکن میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ تائی جان بھی بیٹی سے کچھ اکھڑی اکھڑی سی رہنے لگی ہیں۔ان دنوں آپ کی بغاوت اور آپکی بغاوت کی وجہ سے ہونے والی ہماری منگنی کو لے کر دونوں ماں بیٹی بہت زیادہ غصے میں تھیں ۔۔ اس لئے میری بھرپور کوشش یہ ہوتی تھی کہ کام کاج کے علاوہ جب تک آپ گھر نہ آ جائیں میں کمرے سے باہر نہ نکلوں ۔۔ لیکن آپ تو ایسے گئے کہ فون پر بھی نہ پوچھا کہ "شگو زندہ بھی ہو کہ مر گئی ہو؟" وہ گلہ مند تھی اور ابراہیم اپنی کوتاہی پر شرمندہ تھا۔

''اس دن شدید پیاس کا احساس ہوا تو میں کچن کی طرف جا کر اپنے لیے پانی لے رہی تھی کہ میں نے سنا دونوں ماں بیٹیاں ایک دوسرے سے لڑ رہی ہیں۔۔آپ جانتے ہیں کہ مجھے ٹوہ لینے کی عادت نہیں ہے لیکن اس دن نہ جانے کیوں میں ان کی باتیں سننے لگی تھی۔

''تو نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا میں یہ تیرا گناہ تیرے باپ بھائی سے کیسے چھپاؤں گی ؟ہائے مولا کاش تو پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔'' یہ تائی جان کی آواز تھی وہ تیز تیز بول رہی تھیں انہیں لگا ہوگا کہ میں حسب معمول کام ختم کر کے اندر چھپی بیٹھی ہوئی ہوں اس لیے وہ دونوں بے فکر ہو کر بات کر رہی تھیں۔''

شگفتہ ذرا سا تکیہ اوپر کر کے بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور ڈاکٹر ابراہیم بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ کر اس کی وہ باتیں سن رہے تھے جو انہیں کسی اور ہی کیفیت میں لے جا رہی تھیں۔شگفتہ کے انکشافات ان کی بند آنکھیں کھول رہے تھے وہ تو آج تک شگفتہ کو ہی قصوروار سمجھتے رہے تھے انہیں تو اس بات کی سمجھ ہی نہیں آتی تھی تو شگفتہ نے ان کے ساتھ بے وفائی کیوں کی؟ ایک محبت بھرے دل کو ٹھکرا دیا جس دل میں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا اور وجہ بھی نہ بتائی۔

''ابراہیم میں جانتی ہوں کی یہ سب کچھ جاننا تمہارے لیے بہت ہی تکلیف دہ ہے لیکن میں کیا کروں سچ کب تک چھپائے رکھوں اب مجھ میں مزید اس بوجھ کو اٹھانے کی سکت نہیں رہی۔

مجھے گوارا نہیں کی تمہیں درد ہو تمہیں تکلیف ہو لیکن میں کیا کروں میں سب کچھ نہ بتا کر ہم دونوں کے ساتھ پہلے ہی زیادتی کر چکی ہوں اب تائی جان کی موت کی خبر نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ ان رازوں پر سے پردہ اٹھا دوں کیونکہ کچھ زندگیاں اور کچھ عزتیں بچانے والی شگفتہ خود کو نہ بچا سکی اب تو جب موت سامنے کھڑی ہے میں تھوڑی سی خودغرض ہو کر سب آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔کچھ حق تو مجھ پر میرا بھی ہے نا ابراہیم اب مرتی ہوئی شگفتہ کے بوجھ تو کم کرنے کا حق ہے نا؟'' شگفتہ کی آواز نقاہت زدہ تھی وہ ذرا سا بول کر تھک جاتی تھی لیکن وہ چپ نہیں ہونا چاہتی تھی سب کچھ کہہ دینا چاہ رہی تھی۔

''خدا کے لیے اب تو چپ نہ رہو برسوں پہلے جو تم نے میرے ساتھ کیا اس کا جواب مجھے ہر صورت میں چاہیے لیکن تم جب بالکل ٹھیک ہو جاؤ تب بتا دینا اپنے دماغ پر بوجھ نہ ڈالو یہ سب بہت تکلیف دہ ہے اور تمہاری

صحت مزید کسی تکلیف کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہی۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا

باہر بہت تیز بارش ہو رہی تھی آندھی کے شدید ترین جھونکے ہاسپٹل کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر بین کر رہے تھے کمرے کی کھڑکیاں ہولے ہولے بج رہی تھیں ابراہیم نے اٹھ کر پردے ٹھیک کیے اور دوبارہ اس کے پاس بیٹھ کر اسے منتظر نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میری سارا کو ایسے موسم سے بہت ڈر لگتا ہے اللہ کا شکر ہے کہ آج اگر اسے اپنے اندر سمیٹنے کے لیے اس کے پاس میری گود نہیں تو اس کے شوہر کے مضبوط بازو تو اس کی حفاظت کے لیے موجود ہیں اس کی ہمت بندھانے کے لیے اسے حوصلہ دینے کے لیے اس کے ساتھ ولید حسن کی محبت ہے بالکل خالص محبت۔" وہ سارا کی طرف سے بہت مطمئن تھی۔

"شگو! تم کچھ بتا رہی تھیں مومل کے بارے میں میری ماں کے بارے میں؟"

وہ اپنے اندر اٹھتے سوالوں کو بہت روکنے کے باوجود چپ نہ رہ سکا۔

وہ ابھی تک اسی جملے میں الجھا ہوا تھا "تم نے ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا مومل۔" وہ سوچ بھی رہا تھا اور اندر ہی اندر پھیلی بے چینی کا سر کچلنے کی بھرپور کوشش بھی کر رہا تھا جو اسے اکسا رہی تھی کہ شگفتہ سے جلد از جلد سب کچھ معلوم کرے۔

جبکہ اس کی صحت کی طرف دیکھتے ہوئے بحیثیت اک ڈاکٹر کے وہ جانتا تھا کہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔

وہ دوبارہ بات وہیں سے شروع کرتے ہوئے بولی۔

" تائی کی ملامت کے جواب میں مومل نے اپنی صفائی پیش کرنی چاہی۔

"آپ ایسا نہ کہیں پلیز__ مجھ سے غلطی ہوگئی لیکن یہ گناہ کا کڑوا پھل نہیں ہے بلکہ یہ تو حلال رشتے کا وہ بندھن ہے جو اس رشتے کو مضبوط کرتا ہے آپس میں باندھے رکھتا ہے۔" مومل کی قدرے بجھی بجھی آواز سن کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بہت پریشان ہے۔ فطری بات ہے کہ مجھے یہ سب جاننے کی ٹوہ لگ گئی تھی کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔

"تم اتنی دلیر کیسے ہوگئی تھیں مومل کہ اپنے لیے بر بھی پسند کر لیا اور بنا کسی کو بتائے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تم نے یہ

بھی نہ سوچا کہ اس کا انجام کتنا خطرناک ہو سکتا ہے ایسے فیصلوں کا انجام ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ ہوتا۔" تائی جان کی فریادیں کمرے کے درو دیوار سے ٹکرا کر میری سماعتوں میں اترنے لگی تھیں۔

"ہم نے نکاح کیا تھا ماں! یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔"

مومل کی بات سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی تھی۔" شگفتہ نے ابراہیم کی طرف دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن اس کے چہرے پر پھیلے شدید قسم کے صدمے کی کیفیت سے بھرپور تاثرات اس سے دیکھے نہ گئے اس نے آنکھیں بند کر لیں

ابراہیم کا گلہ خشک ہو گیا تھا اس نے ادھر ادھر دیکھا اور سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ میں سے گلاس بھر کر پانی پینے لگا۔

"میں ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن میرے پاؤں سے دم ہی نکل گیا تھا یہ سب سن کر۔

"اب اس منحوس کو کیسے چھپاؤں گی بدبخت لڑکی؟ اور میں تیرے سسرال والوں کو کیا جواب دوں جو شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں؟" تائی جان تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔

"اماں وہ اتنا امیر آدمی ہے کہ اس کی دولت سے میری ساری خواہشوں کو تکمیل کا رنگ ملے گا۔ میں ایک دن اس کے ساتھ دنیا کی سیر کے لیے جاؤں گی ۔۔ یہ آپ کا ٹٹ پونجیا شاہد مجھے چیچو کی ملیاں تک بھی نہیں لے جا سکتا میری خواہشوں کو کیا پورا کرتا۔؟

وہ بولے جا رہی تھی اور تائی ان در اور میں باہر حیرت اور صدمے سے سب سن رہے تھے۔

" محبت کی ہے میں نے اس کی دولت سے اور اس نے مجھ سے میری خوبصورتی سے۔ مجھے نہیں لیکن اسے بہت جلدی تھی میں نے کہا کہ میں گھر والوں سے بات کر کے یہ منگنی تڑوا دوں گی پھر تم اپنے گھر والوں کو بھیج دینا لیکن اس نے کہا کہ میرا ایک بھائی کے علاوہ دنیا میں کوئی اور نہیں ہے اور بھائی بھی ملک سے باہر ہوتا ہے جانے تمہارے گھر والے مانیں نہ مانیں اور اس سب میں بہت وقت لگ سکتا ہے میں تمہارے بنا اب ایک پل بھی نہیں رہ سکتا"

مومل کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لیکن میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی یہ سوچتے ہوئے کہ وہ

اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی ہے؟“

”کون تھا وہ شخص شگفتہ؟“ ابراہیم نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”وہ مومل کا باس تھا۔ بہت امیر آدمی اور اپنے منگیتر کے ساتھ محبت کرنے والی مومل شاید اس کی دولت پر ہی فدا ہوئی تھی کیونکہ میں اس بات کی گواہ ہوں کہ شاہد بھائی جو مومل کے منگیتر تھے وہ ان سے اس بات پر اکثر فون پر ہی لڑتی رہتی تھی کہ میری سالگرہ پر کوئی مہنگا تحفہ کیوں نہیں دیا تمہارے مالی حالات کب اچھے ہوں گے؟ شادی میں فلاں فلاں زیور ضرور بناؤ گے سوٹ ڈیزائنر ہونا چاہیے ہم ہنی مون ملائشیا میں منائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ میں نے جو کچھ اس دن سنا اس کے مطابق مومل پر باس نے جلد از جلد شادی کا دباؤ ڈالا اور ساتھ میں قیمتی تحائف بھی دیتا رہا اور یوں وہ اس کے سنہرے جال میں پھنس گئی۔“

”لیکن پھر مومل نے اسے چھوڑا کیوں؟ پلیز جلدی جلدی بتا دو سب کچھ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا شگفتہ۔“ ابراہیم نے جیسے اس سے التجا کی۔

وہ چپ تھی۔۔۔ ابراہیم نے پوچھا

”کیا وہ بے وفا تھا؟“

”نہیں مجھے بعد میں پتہ چلا کہ وہ کینسر کا مریض تھا اس کی زندگی کے چند مہینے باقی تھے جب اسے پتہ چلا کہ وہ مرنے والا ہے تو سب سے پہلے اس نے یہ کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح سے شادی کر کے اپنا کوئی وارث اپنا کوئی نام لیوا دنیا میں چھوڑ جائے بہت سی غریب لڑکیاں اس کی دولت کے لیے شادی کرنے پر تیار ہو جاتیں لیکن اس کے آفس میں کام کرنے والی مومل ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور بہترین پس منظر رکھنے والی اس لڑکی کی کمزوری دولت ہے وہ یہ بات سمجھ گیا تھا اسی لیے تو اس پر خوب پیسہ خرچ کرنے لگا اور چند ہی دنوں میں اس سے نکاح کر لیا کیونکہ وہ اپنی آئندہ نسل کسی اچھے خاندان کی لڑکی سے چلانا چاہتا تھا یہ سب کچھ بہت جلدی ہوا مومل کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ ملا۔“

”میرا سوال پھر وہی ہے کہ مومل نے اسے چھوڑا کیوں؟“

”مومل نے اسے نہیں چھوڑا نہ اس کے مالدار شوہر نے اسے چھوڑا۔ بس موت نے دونوں کے درمیان

جدائی ڈال دی وہ شخص ظہیر احمد خان اچانک بے ہوش ہوا اور دو دن کوما میں رہ کر مر گیا۔ مومل کو تو ہاسپٹل میں سب باتوں کا علم ہوا کہ وہ کینسر کی آخری سٹیج پر تھا مرنے سے کچھ عرصہ پہلے انہیں پتہ چل گیا تھا کہ مومل امید سے ہے۔۔اور مومل کے مطابق وہ بہت خوش تھا کہ اس کی اللہ نے سن لی ہے جبکہ مومل بہت پریشان اور دکھی تھی کہ اب گھر والوں سے کیسے یہ سب چھپائے گی دونوں نے فیصلہ کیا کہ اب مومل کے گھر والوں کو سب بتا کر اعلانیہ رخصتی کرواتے ہیں وہ ہر طرح سے ان سے معافی مانگنے کے لیے تیار تھا مومل کی طبیعت کی خرابی اب ماں کی جہاندیدہ نظروں سے چھپ ہی نہیں سکتی تھی وہ بھی بہت ڈری ہوئی تھی ادھر شاہد بھائی کی ترقی ہوگئی تھی اور اب وہ بہت اچھے عہدے پر فائز ہو چکے تھے۔اسپتال میں ظہیر احمد خان کے بارے میں ساری حقیقتوں سے باخبر ہونے کے بعد مومل پر بہت بڑی گزری تھی۔" وہ بولتے بولتے کچھ دیر رکی تو ابراہیم نے جلدی سے پوچھا

"تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا تھا شگفتہ ! کیا خود مومل نے؟"

شگفتہ ابراہیم کے اس سوال پر اک اداس نظر اس پر ڈال کر درد بھرے لہجے میں بولی

"ابھی تو آپ نے بہت کچھ سننا ہے ابھی سے سوال مت کریں۔" پھر سینے میں اٹھتی درد کی اک تیز لہر پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"ظہیر احمد خان کے مرنے کے بعد تو مومل کے پاس اور کوئی رستہ باقی بچا ہی نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ اپنی ماں سے مدد مانگے وہ سب کچھ تو پہلے ہی جان چکی تھیں اگر وہ سب کچھ انہیں نہ بھی بتاتی تب بھی کچھ عرصے میں ماں کو پتہ چل جاتا کیونکہ اس کے جسم میں ہونے والی تبدیلیاں کوئی بچہ بھی دیکھ کر سمجھ سکتا تھا کہ وہ کس دور سے گزر رہی ہے۔تائی جان کو جب یہ سب پتہ چلا تو انہوں نے بہت شور مچایا روئیں پیٹیں مگر مومل نے جو کچھ کرنا تھا وہ سب تو کر چکی تھی۔۔مومل کے احتجاج اور انکار کے باوجود وہ چپکے چپکے اسے لیے لیے مختلف دائیوں اور ڈاکٹرز کے پاس پھرتی رہیں لیکن ہر طرف سے ان کو ایک ہی جواب مل رہا تھا کہ وقت بہت گزر گیا ہے اب بچہ تو ضائع ہو سکتا ہے لیکن اس میں ماں کی زندگی کو بہت خطرہ ہے۔۔ان دنوں میری تو شامت آئی ہوئی تھی بات بے بات تائی جان مجھے بے عزت کر دیتی تھیں ماں اور بیٹی دونوں اپنا سارا غصہ میرے اوپر نکالتی تھیں مومل کچھ تو طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اور کچھ اتنی جلدی پریگنیٹ ہونے کی وجہ سے بہت چڑچڑی ہوگئی تھی۔۔اس کے لیے اب

اس بچے کو دنیا سے چھپانا اک مسلہ بن گیا تھا۔ وہ مجھے کبھی تھپڑ مار دیتی کبھی دھکا دے کر گرا دیتی آپ بھی تو مجھ سے بہت دور تھے میں اکیلی روتی اور تڑپتی رہتی تھی تنہائی کے ان لمحوں میں مجھے تسلی دینے والا کوئی نہیں ہوتا تھا ایک دن تو حد ہی ہو گئی تھی تائی جان کچن میں کھڑی تھیں میرے سر میں بہت درد ہو رہا تھا اور میں نے درد کی گولی کھا کر کچھ دیر آرام کر لیا تھا جس کا غصہ موحل اور تائی جان دونوں کو بہت تھا عصر کا وقت تھا اور اس وقت میں سارے گھر کے لئے چائے بنا کر ان کے کمروں میں دے کر آتی تھی لیکن اس دن آرام کرنے کی وجہ سے میں کچھ لیٹ ہو گئی تھی اس لیے تائی جان چائے بنانے کے لئے خود کچن میں کھڑی ہو گئی تھیں میں نے انہیں کچن میں کھڑے دیکھا تو میں دل ہی دل میں سہم سی گئی تھی کیونکہ مجھے پتا تھا کہ اب میرا حال بہت برا ہونے والا ہے لیکن پھر بھی مجھے اتنا اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر غصے میں ہوں گی۔ انہوں نے ساس پین میں چائے کے لیے پانی رکھا ہوا تھا ابالنے کے لیے میں نے ڈرتے ڈرتے ان سے کہا

”تائی جان آپ نے کیوں تکلیف کی میں آکر چائے بناتی تھی بس آنکھ لگ گئی تھی میرا یہ کہنا ہی غضب ہو گیا تھا۔ انہوں نے ابلتے ہوئے پانی کا ساس پین اٹھایا اور پیچھے مڑ کر اک پل کے لیے میری طرف غضب ناک نظروں سے دیکھا میں جوان کی نظروں کی تپش سے گھبرا گئی تھی مجھے معلوم نہیں تھا کہ کچھ دیر میں اس سے کہیں زیادہ تکلیف سہنے والی ہوں اندر کی طرح باہر سے بھی جلنے والی ہوں۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اپنے اندر کی آگ سے بے قابو ہو کر کھولتا ہوا پانی میرے اوپر گرا دیا۔۔۔ میں پل بھر میں تڑپنے لگی یہ دیکھیں اس نے آستین اوپر کر کے اپنا بازو اس کے آگے کیا جلنے کے نشان اب بھی واضح نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے کلائی پر جلنے کے نشان دیکھ کر ابراہیم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مروڑ دیا تھا۔ اس نے تڑپ کر شگفتہ کی طرف دیکھا۔

”مجھے یہ تو پتہ تھا کہ وہ تم سے بہت نفرت کرتی ہیں لیکن اس حد تک نفرت کرتی ہوں گی یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔“ وہ اس کی مزید زرد پڑتی رنگت کو دیکھ کر دکھی لہجے میں بولا تو اس کے نیلے ہونٹوں سے بے اختیار اک درد میں ڈوبی سسکی نکلی اور سیدھا ابراہیم کے دل پر وار کر دیا۔

وہ اپنا سینہ مسلتے ہوئے اٹھے اور شگفتہ کی گردن اونچی کر کے اس کے پیچھے سے ایک تکیہ ہٹا لیا اور اسے آرام

وہ پوزیشن میں لٹا دیا۔

اس وقت وہ اک مسیحا تھے جو اپنی مریضہ کے چہرے پر پھیلی درد کی اذیت کو محسوس کر رہے تھے

"تم آرام سے سو جاؤ پلیز۔۔رات بس گزر رہی گئی ہے کچھ ہی دیر میں صبح ہونے والی ہے صبح کی روشنی سے اچھی امید رکھو چھوڑ دو ان تکلیف دہ باتوں کو بس یہ سوچو کہ صبح ہوتے ہی سارا اور ولید تمہارے پاس آ جائیں گے۔"

وہ باجود شدید ترین خواہش کے کہ جلد از جلد سب گزرے حالات معلوم کر لوں۔ پھر بھی اس کی صحت کو دیکھتے ہوئے اسے بات کرنے سے منع کر رہا تھا۔

"وہ سیدھی لیٹی لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔

"جانے زندگی اجازت دے نہ دے ابراہیم یہ نہ ہو کہ میں یہ سارے راز اپنے سینے میں چھپا کر موت کی آغوش میں سو جاؤں۔۔بہت ضروری ہے تمہارا یہ سب جاننا۔میں تمہیں اپنے زخم دیکھا کر یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ دیکھ لو میں نے صرف تمہارے لیے یہ سارے ستم سہے ہیں اپنی پوری عمر تمہیں دے دی ہے۔" وہ نیم بے ہوشی والی کیفیت میں تھی آنکھیں بند کیے وہ سب سوچ رہی تھی جو آج تک کسی کو نہ بتا سکی۔

"اچھا ان شاء اللہ تعالیٰ کل تمہاری ساری باتیں سنوں گا اب یہ تکلیف دہ قصہ ختم کر دو اس سے تمہیں بہت تکلیف ہو رہی ہے اور اس وقت جو تمہاری حالت ہے وہ ایسی نہیں کہ تم مزید کوئی تکلیف سہہ سکو۔"

"اچھا سنو ابراہیم!؟

"بولو کیا کہنا چاہتی ہو؟" وہ ہمہ تن گوش تھا

"میری زندگی پر اک کہانی لکھنا میرے جانے کے بعد۔۔۔جب ساری کہانی سن لو تب سب سچ لکھنا پوری اک کتاب بن جائے گی۔۔لیکن پھر یہ سوچتی ہوں کہ اتنا دکھ کون پڑھے گا۔۔بھلا کوئی خرید کر دکھ بھی پڑھتا ہے ہاں دکھ تو بانٹنے پڑتے ہیں۔۔تم بھی یہ کتاب بانٹ دینا ویسے بھی تمہیں دوسروں کے دکھ بانٹنے کی عادت ہے نا؟" وہ کچھ عجیب سی بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی۔

ابراہیم نے اسے بولنے دیا کہ ذہن بٹ جائے۔

"اچھا سنو نا"

"میں تو بغور سب سن رہا ہوں تم بولتی رہو۔۔۔لیکن اچھی اچھی باتیں سنوں گا دکھی باتیں ختم او کے؟"

"تم نے پوچھا نہیں کہ میری زندگی کی کتاب کا عنوان کیا ہوگا؟"

"تم بتا دو نا زندگی تمہاری کہانی تمہاری تو عنوان بھی تم رکھو گی نا؟"

"وہ بوجھل پلکیں بمشکل اٹھا کر اسے دیکھتی رہی

"زندگی میری نہیں ہے کہانی بھی میری نہیں ہے ہاں عنوان میں رکھوں گی۔

عشق، عورت، اور عنکبوت"

"ارے عنوان تو بہت اچھا ہے لیکن ایک بات تو بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو۔"

"یہ عشق اور عورت کی سمجھ تو آتی ہے لیکن یہ عنکبوت کیا بلا ہے؟ وہ الجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

پہلے تو وہ اس سوال پر مندی مندی آنکھوں سے مسکرائی۔۔ پھر دھیمے سے استہزاء آمیز لہجے میں بولی

"ارے اتنا بڑا دعوی کر رہے ہو۔۔۔تمہیں عشق اور عورت کی سمجھ آ گئی؟

عشق تو فنا کے بعد سمجھ آتا ہے۔۔

اور عورت؟ اسے سمجھنے کے لیے تو عورت میں ڈھلنا پڑتا ہے۔۔۔خود سے نکل کر اس میں بسنا پڑتا ہے جب تک مرد، صرف مرد رہتا ہے تب تک عورت اسے فقط اک ضرورت لگتی ہے لیکن جب وہ عورت میں بس جائے تو اسے اس کی سمجھ آتی ہے۔ کسی بھی مقام پر رہنے والے ہی وہاں کے حقیقی موسموں اور دیگر چیزوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔۔عورت کو سمجھنے کے لیے اس میں رہنا پڑتا ہے۔۔۔اس سے عشق کرنا پڑتا ہے۔۔۔ اور عشق کو سمجھنے کے لیے فنا ہونا پڑتا ہے تم مرد ہو کر عشق اور عورت کو سمجھنے کا دعوی کر رہے ہو کبھی دیکھا ہے فلموں اور ڈراموں کے علاوہ حقیقی زندگی میں کسی مرد کو اک عورت کے عشق میں فنا ہوتے؟۔۔۔نہیں نا؟۔۔۔یہ جو خبر بن کر کسی اخبار کی زینت بنتے ہیں نا وہ تو عورت کو پانے کے لیے جان دیتے ہیں۔۔۔رشتے سے انکار پر نوجوان نے خودکشی کر لی۔۔۔سابقہ بیوی کو دوسرے شوہر کے ساتھ قتل کر کے گرفتاری دے دی۔۔۔لڑکی نے شادی سے

انکار کیا تو خنجر گھونپ کر مار دیا۔۔لڑکی کسی اور کی ڈولی میں بیٹھی تو لڑکے نے زہر کھا لیا۔یہ سب تو ضد آنا اور خواہشات کا کھیل ہے۔۔۔اسے عشق کہہ کر عشق کو بدنام نہ کرنا۔۔۔عشق تو وہ ہے کہ معشوق کی خوشی ہی تمہاری خوشی بن جائے۔عشق تو وہ ہے کہ اس کی ناں سے بھی وہی سلوک کرو جو اس کی ہاں سے کرتے ہو۔۔۔عشق تو یہ ہے کہ معشوق کے محبوب کو بھی اپنا محبوب بنائے رکھو۔اپنی میں کو ختم کر دو۔۔۔اور یہ میں کی موت ہی تو ہے جو ایک کو فنا کر کے دوسرے کو بقا بخشتی ہے جب میں نہیں تو تم۔جب دونوں طرف سے تم ہو تو پھر مرد اور عورت ہم ہو جاتے ہیں تب عورت کی سمجھ آتی ہے" وہ اتنی لمبی تمہید کے بعد ذرا سا اکھڑی سانس کو سنبھالنے کے لیے رکی۔۔۔

"اچھا عنکبوت کا تو بتاؤ نا کہ یہ کیا بلا ہے؟" اس نے یوں جلدی سے سوال دھرایا جیسے اسے ڈر ہو کہ وہ دوبارہ نہ شروع ہو جائے اور اس سوال کا جواب ادھورا ہی نہ رہ جائے

"عنکبوت مکڑی کو کہتے ہیں۔۔۔مکڑی جو تار عنکبوت بناتی ہے۔۔۔جسے جال کہتے ہیں سنہری اور نازک جال۔۔یہ عنکبوت تو خواہشات کا دوسرا نام ہے۔۔۔خواہشوں کی مکڑی دکھ کا جال بناتی ہے جو بظاہر بہت دلفریب لگتا ہے اور عشق کی ماری عورت کو خواہش بن کر دکھ کے اس جال میں گھیر لیتی ہے اس وقت تک گھیرے رکھتی ہے جب تک کہ اس میں جان باقی رہتی ہے۔۔۔عورت کی خواہش۔۔۔مرد فقط اس کا رہے۔۔عشق میں تو حید کی خواہش تو لازم ہے۔۔۔یہ خواہشات کے عنکبوت کی پہلی بنت ہے۔۔

عورت عشق میں خود کو مٹاتی ہے اور پھر مرد سے بھی یہ ہی امید لگا بیٹھتی ہے۔یہ بھی خواہشات کے عنکبوت کا اک دھوکہ ہے۔۔ایسے ہی اک جال بنتا جاتا ہے جس میں اک بار پھنس جائے تو عورت پھر نکل نہیں سکتی۔۔دکھوں کے جال سے کسی عورت کو میں نے تو آج تک نکلتے نہیں دیکھا۔اس جال میں عورت کو سسکتے بلکتے قطرہ قطرہ موت کا زہر پی کر مرتے ہی دیکھا ہے۔۔تم کہو گے یہ شاپنگ مالز میں گھروں اور تفریح گاہوں میں جو سجی سنوری ہنستی کھلکھلاتی قہقہے لگاتی عورتیں نظر آتی ہیں کیا یہ سب زندہ نہیں ہیں؟"

تو میرا جواب یہ ہے کہ۔۔۔کیا سانس لینے کا نام ہی زندگی ہے؟اور کیا قبر میں دفنا دینا ہی موت ہے؟ کچھ مرے ہوؤں کو قبریں نہیں ملتیں اور کچھ سانس لینے والوں کو زندگی نہیں ملتی۔

بہت سے انسانوں میں زندوں میں سے کبھی مرے ہووں کو الگ کرنا پڑے تو لوگوں کے ہجوم میں سے عورتوں کو الگ کر لینا اور مردوں کو الگ بس خود ہی جان جاؤ گے کہ عورتیں زندہ لگ رہی ہیں لیکن زندہ نہیں ہیں۔۔۔بس جینے کی اداکاری کر رہی ہیں عورت میں اور کوئی ہنر ہو نہ ہو لیکن اداکاری بہت اچھی کرتی ہے اب دیکھو نا دنیا کے بڑے بڑے اداکار ایسا نہیں کر سکتے کہ مرے ہوئے ہوں لیکن زندہ نظر آنے کی اداکاری کریں بڑی مشکل بات ہے یہ۔" وہ آخری الفاظ غنودگی میں بول کر گہری نیند میں کھو چکی تھی۔

ابراہیم نے شکر کیا کہ وہ سو گئی ہے وہ آہستگی سے اس کے پاؤں پر کمبل ٹھیک کر کے باہر نکل آیا۔

صبح کی ہلکی سی روشنی میں ہر منظر واضح نظر آنے لگا تھا بہت سی چیزوں کی انہیں اب سمجھ آرہی تھی وہ اپنے آپ سے گلہ مند تھے کہ ماں بہن کی ہر بات کا اعتبار کیسے کر لیا تھا ان کا دم سینے میں گھٹنے لگا تھا وہ باہر لان میں تازہ ہوا لینے نکل آئے۔

"ارے خدا بیڑا غرق کرے اس چڑیل کا میرے شہزادے بیٹے سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔صاف انکار کر گئی ہے۔" اماں کی آواز اس کے سر میں درد کر رہی تھی

"یہ نہیں ہو سکتا وہ تو میرے علاوہ کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی وہ تو ابراہیم سے شروع ہو کر ابراہیم پر ہی رک جاتی ہے وہ تو میرے علاوہ کسی کو دیکھتی تک نہیں۔" وہ پل بھر میں یہ سب سوچ چکا تھا۔

"ارے تیرے پاس کیا ہے؟ ایک ڈاکٹری کی ڈگری ہی تو ہے نا؟ وہ لالچی ماں کی۔۔ہوس پرست بیٹی ہے۔اسے نام کی ہوس ہے چار برتن دھو کر تمہارے سامنے ایکٹنگ شروع کر دیتی ہے اور نام بناتی ہے کہ ہائے بے چاری سارے کام کرتی ہے۔۔مظلوم دکھنے کے لیے منہ پر لعنت لیے رونی سی شکل لوگوں کو دکھاتی پھرتی ہے پیسے کی ہوس ایسی کہ جو ملتا ہے اپنی گٹھری میں ڈال لیتی ہے۔ارے سن لو ابراہیم اسے مل گیا ہے ایک بہت بڑا اور امیر آدمی عزیز احمد خان نام ہے اسکا اور وہ کل رشتہ لے کر آ گیا تھا میں نے بہت کہا کہ بتایا یہ منحوس میرے بیٹے کی منگیتر ہے لیکن اس کی ایک ضد تھی کی شادی کرے گا تو اس منحوس سے ہی کرے گا۔۔۔میں نے اسے یہ بھی بتایا ہے کہ اس منحوس ماری کی ماں نے بھی کئی زندگیاں برباد کی ہیں۔۔اور جب سے یہ ہماری زندگی میں آئی ہے ہم ماں بیٹے کے درمیان بھی اس نے بہت سی غلط فہمیاں پیدا کی ہوئی ہیں۔" وہ سن رہا تھا لیکن اس کا دل نہ

تڑپ رہا تھا نہ رو رہا تھا کیوں کہ اسے پورا یقین تھا کہ شگفتہ نے کچھ بھی ایسا نہیں کیا ہوگا اسے خود سے بھی زیادہ اس پر بھروسہ تھا وہ کیسے مان لیتا کہ وہ بدل گئی ہے۔اک خصوصی کورس کے لیے اسے کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر جانا پڑا تھا اور واپسی پر اسے یہ سب بتایا جا رہا تھا۔وہ اگر شک کرتا تو اس کا دم ہی نکل جاتا شگو کے بدل جانے پر لیکن اسے تو پورا بھروسہ تھا اس لڑکی پر جس نے پیدا ہوتے ہی اس کے دل میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ ''تم بات کیوں نہیں کرتی تھیں میرے ساتھ؟'' وہ سیدھا اس کے کمرے میں گیا تھا کمرہ کیا تھا اک ڈربہ ہی تھا کچن کے ساتھ سٹور کے لیے استعمال ہونے والا چھوٹے سے کمرے میں اک چارپائی اور کچھ چیزیں رکھی گئی تھیں جن میں وقتاً فوقتاً اضافے کی وجہ ابراہیم تھا وہ اس کی تنہائی کی ساتھی اک چھوٹی سی ٹی وی اس کے لایا تھا پھر اس کے اچھے نمبرز سے پاس ہونے پر چھوٹا سا لیپ ٹاپ اسے گفٹ کیا تھا جس کو لے کر ماں نے گھر میں بہت بڑا فساد ڈالا تھا اور جب تک اس نے انہیں ان کے پسندیدہ سونے کے ٹاپس نہیں لا دیئے تھے وہ پرسکون نہیں ہوئی تھیں۔وہ لیپ ٹاپ کا تحفہ پا کر بہت خوش ہوگئی تھی۔

اس کے لیے مختلف کتابوں کا تحفہ کبھی کانچ کی چوڑیاں کبھی کوئی خوبصورت ڈائری غرضیکہ وہ ماں کی ناراضگی کی پرواہ کیے بنا اس سٹور کو کمرہ بنانے کے لیے کوشش کرتا رہتا تھا۔۔یہ نہیں تھا کہ وہ صرف اس کے لیے تحائف لاتا بلکہ جب بھی اس کے لیے کچھ خریدتا تب مومل اور اماں کے لیے ضرور وہی چیز لیتا تھا لیکن ان کو یہ برابری اک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

اس کے سوال پر شگفتہ کا دل چاہا کہ صاف صاف کہہ دے۔

''میں تو پل پل آپ کو یاد کرتی رہی تھی جب بھی آپ فون کرتے میں تائی جان اور مومل کے اردگرد گھومتی رہتی اس امید پر کہ مجھے ابھی بلائیں گی کہ آ کر آپ سے بات کر لوں۔۔لیکن مجال ہے کہ جو انہیں کبھی خیال بھی آیا ہو۔'' لیکن وہ بالکل چپ تھی ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھ رہی تھی بنا کچھ کہے۔

''ارے ایسے کیا گھورے جا رہی ہو؟ صاف صاف کہو نا کہ تمہیں شرم آتی تھی اماں اور مومل کے سامنے مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ شریر ہوا۔

'' اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ یہ اماں کیا کہہ رہی ہیں؟'' مجھے تو ان کی باتوں پر ذرا بھی بھروسہ نہیں مجھے تم پر

بھروسہ ہے صرف تم پر بس یہ بتادو کہ یہ عزیز خان ہے کون جس کی بات اماں کر رہی تھیں؟'' ابراہیم کی آنکھوں میں نہ شک تھا نہ بے یقینی لیکن اگلے ہی لمحے شگفتہ کا جواب سن کر ابراہیم کو یوں لگا کہ جیسے مکان کی چھت اس کے سر پر آ گری ہو۔

''عزیز خان میرا منگیتر بھی ہے اور ___ اور'' وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دوبارہ بولی۔''اور ہم ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے ہیں''

ابراہیم نے بمشکل اپنے چکراتے سر کو ہاتھوں سے پکڑ کر خود کو سنبھالا اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا رہا کبھی کبھی بے جان سہارے بھی کتنے ضروری ہو جاتے ہیں اسے اب پتہ چلا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے تمہارے لیے ابراہیم سے زیادہ اہم اور کوئی کیسے ہو سکتا ہے؟ انگوٹھی تو میرے نام کی ابھی تک تمہاری انگلی میں ہے پھر تم ایسا کیسے کر سکتی ہو؟ یہ مذاق ہے نا؟ کہہ دو کہ یہ سب مذاق ہے۔۔اور یہ بھی وعدہ کرو کہ آج کے بعد ایسا مذاق کبھی نہیں کرو گی۔

وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھا اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے جب کہ آنکھیں نمکین پانیوں سے دھندلی سی ہو رہی تھیں۔

''میں شرمندہ ہوں ابراہیم کہ ہمارا ساتھ فقط اتنا ہی تھا۔۔عزیز خان مجھے وہ سب دے گا جس کی ایک لڑکی کو چاہت ہو سکتی ہے۔۔۔افسوس کہ تمہارے پاس چاہت والا دل تو ہے لیکن اچھی زندگی گزارنے کے لیے جو پیسہ چاہیے وہ نہیں ہے۔۔۔اک ڈاکٹر کی لگی بندھی تنخواہ اور اس کی لڑاکا ماں۔۔۔سوچو تو بس یہ ہے میری زندگی تمہارے ساتھ۔''

وہ جو ہمیشہ نظریں جھکا کر بات کرتی تھی آج اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول رہی تھی ابراہیم حیرت بھری بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اماں سامنے کھڑی اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہوں کہ ''دیکھ لیا ابراہیم اس لڑکی نے تمہارے پیار کا کیا صلہ دیا اسی کے لیے مجھ سے لڑتے تھے؟ اسی کے لیے اپنے منہ کا نوالہ حاضر رکھتے تھے؟ اسی کے لیے اچھی سے اچھی لڑکیوں کو ٹھکراتے آئے ہو؟'' وہ لڑتا رہا یہاں تک کہ اس سے محبت بھیک میں مانگتے ہوئے بھی اسے غیرت نہ آئی

"میں تمہارے بغیر سانس کیسے لوں گا؟ دیکھ لو ابھی تم نے صرف بات کی ہے اور میرا دم گھٹنے لگا ہے مجھے سا
نس لینے میں تکلیف ہو رہی ہے یہ سوچو کہ تم سامنے نہ ہوئیں اور کسی اور کی ہو گئیں تو میں کیسے زندہ رہوں گا؟"
وہ جیسے بھیک مانگ رہا تھا
لیکن وہ تو جیسے پتھر بنی کھڑی تھی۔ یوں کہ جیسے اسے پہچانتی ہی نہ ہو۔ اسی وقت اماں نے اسے فون لا کر پکڑا
دیا۔" یہ لو عزیز احمد خان کا فون ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے نظر انداز کر کے فون اندر لے گئی اور اماں افسوس
بھری نظروں سے بیٹے کو دیکھنے لگی تھیں۔
"ارے سر آپ یہاں بیٹھے ہیں میں آپ کو اندر ڈھونڈ رہا تھا۔ خیریت تو ہے نا؟ آپ کی طبیعت خراب لگ
رہی ہے؟" ولید حسن نے انہیں ہاسپٹل کے بڑے سے لان کے ایک نسبتاً خاموش کونے میں خلاؤں میں گھورتے
دیکھ کر خیرت سے پوچھا۔
" وہ چپ چاپ اسے دیکھ کر اٹھنے لگے تو ولید حسن نے ان کا بازو پکڑ کر اٹھنے میں مدد کی۔
"سر! آنٹی سو رہی تھیں اس لیے میں باہر آپ کو ڈھونڈنے آ گیا لیکن مجھے لگتا ہے کہ کوئی ایسی بات ہے کہ
آپ جس کی وجہ سے ڈسٹرب لگ رہے ہیں؟
"نہیں یار ایسی کوئی بات نہیں بس کچھ یادیں تھیں جو حال میں رہنے نہیں دے رہی تھیں اس لیے ماضی میں
چلا گیا تھا اور آپ سے کیا چھپا ہوا ہے ولید حسن؟ آپ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ میرا ماضی کوئی اتنا شاندار اور
خوشیوں بھرا نہیں تھا کہ مجھے اس میں جا کر خوشی ہوتی۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔
"ماضی تو میرا بھی کوئی خوشی کی روشنی لیے ہوئے نہیں ہے لیکن میں حال کا اک ننھا سا جگنو اپنی مٹھی میں بند
کر کے مستقبل میں جانے کی کوشش کرتا ہوں کہ گھپ آندھیرے میں اک جگنو کی روشنی بھی بہت ہوتی ہے اندھیرا
جتنا بھی گہرا ہو روشنی کی اک ننھی سی کرن سے گھبرا کر ڈر کر چھپ جاتا ہے۔" ولید حسن کی بات سن کر وہ مسکرا
دیئے
"تمہارے پاس ننھا سا جگنو نہیں صبح کا ستارہ ہے جو ڈوبتے ڈوبتے مکمل اور پر نور سحر چھوڑ جاتا ہے اور اس
ستارے کا نام ہے سارا ولید حسن! میں جانتا ہوں یہ اس کے ساتھ کی جو پر نور سحر ہے یہ اب ہمیشہ تمہیں اندھیروں

سے محفوظ رکھے گی۔۔تم قسمت والے ہو کہ تمہارے سارے دکھوں کا ازالہ سارا کی صورت میں ہو گیا ہے۔"
ولید نے محسوس کیا کہ غیر محسوس انداز میں وہ اسے آپ سے تم کہنے لگے تھے۔شاید سارا کی نسبت سے جو کہ شگفتہ کی بیٹی تھی اس شگفتہ کی کہ جسے ان کے دل نے ہمیشہ اپنا مانا تھا" انٹی کی حالت کے بارے میں کچھ بتایئے سر؟"
ولید نے بات بدل دی۔
"وہ ٹھیک نہیں ہے ولید! میں ایک ٹیسٹ کے رزلٹ کے بعد ہی کچھ فائنل کر سکوں گا۔۔بس دعا کرو کہ اس ٹیسٹ کا رزلٹ میرے خوف کے بالکل الٹ آئے۔" ان کے لہجے کی فکرمندی نے ولید حسن کو بھی ڈرا دیا تھا اس کی نظروں کے سامنے وہ پگلی سی دیوانی سی لڑکی آ گئی جو بظاہر تو بڑی بہادری لگتی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ اکثر بہادر نظر آنے والے لوگ بھی اپنوں کے ساتھ کی وجہ سے بہادر ہوتے ہیں یا نظر آتے ہیں دل کو اک سہارا سا رہتا ہے کہ کوئی ہے جو وقت پڑنے پر ان کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو جائے گا۔۔ان کے حصے کے تیر سینے پر کھا لے گا ان پر برسائے گئے پتھروں کے سامنے سینہ سپر رہے گا۔
"اپ پریشان نہ ہوں سر اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کر دے گا۔" وہ دونوں آفس میں بیٹھ گئے تھے جبکہ سارا ماں کے کمرے میں تھی۔
"مما اب طبیعت کیسی ہے؟" وہ ان کے سامنے بیٹھی بغور ماں کے کملائے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔
"جب تم سامنے آ جاؤ تو پھر یہ سوال نہ پوچھا کرو تمہیں سامنے دیکھ کر ہی میری طبیعت ٹھیک ہو جاتی ہے۔۔یوں ہی ڈاکٹرز دوائیں اور انجیکشن دیتے ہیں۔۔۔بس نسخے میں سارا عزیز خان کا نام لکھ دیا کریں۔۔تو یہ محترمہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔" سارا نے مڑ کر دیکھا یہ ڈاکٹر ابراہیم کی تر و تازہ آواز تھی۔
"ڈاکٹر صاحب کسی نسخے میں ڈاکٹر ابراہیم بھی لکھنا پڑے گا؟" اس نے غیر ارادی طور پر ہلکا سا طنز کیا۔
"نہ ڈاکٹر ابراہیم کی ماں ہے اور نہ ہی ڈاکٹر ابراہیم اتنا خوش قسمت ہے کہ اس کو خدا ایک بیٹی دے دیتا۔۔میرا نہیں خیال کہ دنیا میں کوئی ایسا بھی ہو گا جسے نسخہ میں ڈاکٹر ابراہیم لکھ کر دیا جائے اور وہ ٹھیک ہو جائے۔" انہوں نے شگفتہ کی فائلز چیک کرتے ہوئے اداس لہجے میں کہا تو ایک آنسو چپکے سے شگفتہ کی پلکوں کا بند توڑتے ہوئے تکیے میں جذب ہو گیا۔

"ڈاکٹر صاحب کیا آپ اپنے سب مریضوں کے لیے یوں ہی فکر مند رہتے ہیں؟"
اب کہ سارا نے سیدھا ڈاکٹر ابراہیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا تو وہ ایک لمحے کے لئے گڑبڑا سے گئے لیکن شگفتہ کی اُڑی ہوئی رنگت دیکھ کر انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

" بیٹا اگر میرے بارے میں کچھ معلومات کرنی ہیں تم مجھ سے کچھ نہ پوچھیں مجھ سے متعلقہ لوگوں سے معلومات حاصل کر لیں۔۔ یہ ہاسپٹل اس کا عملہ اور وہ لوگ جو میرے مریض ہیں وہ میری پیٹھ پیچھے بھی یہ گواہی دیں گے کہ ڈاکٹر ابراہیم کے لیے اپنے مریضوں سے زیادہ اہم اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔" ان کا انداز کچھ جتانے والا تھا۔

سوری سر مجھے ایسا نہ جانے کیوں لگا کہ جیسے آپ میری والدہ پر خاص توجہ دے رہے ہیں۔۔شاید یہ آپ کا انداز ہو کہ آپ کے اچھے برتاؤ اور توجہ کی وجہ سے ہر شخص کو اپنی ذات اہم لگنے لگتی ہو۔۔لیکن سر اس طرح تو دوسروں کے دلوں میں خوش فہمیاں بھی جنم لے سکتی ہیں؟ کچھ لوگ تو ایسے بدقسمت بھی آپ کے پاس آتے ہوں گے جن کے لئے آپ کی توجہ شاید زندگی کی پہلی توجہ ہوتی ہوگی۔۔وہ لوگ جو غیر اہم نہیں ہوتے لیکن خود کو غیر اہم سمجھ لیتے ہیں وہ تو آپ سے بہت زیادہ متاثر ہو جاتے ہوں گے؟" اس کے سوال پر انہوں نے فائل میں کچھ لکھتے لکھتے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔

" بیٹا بہت سے سوال ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے جواب ہمیں مل جائیں اور جواب بھی ہماری توقع کے خلاف ہوں تو ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے ایسے سوال کیوں کیے۔۔۔کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا پردہ اللہ نے رکھا ہوا ہوتا ہے۔۔اور اس میں ہی بہت سے لوگوں کی بہتری ہوتی ہے" وہ شگفتہ کی بند آنکھیں دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ وہ بمشکل اپنے آنسو روکے ہوئے ہے۔

"آپ چند منٹ کے لئے میرے ساتھ باہر آؤ بیٹا۔" انہوں نے نہایت آہستگی سے سارا کو مخاطب کیا۔

" بیٹا اپنی والدہ کی زندگی اور صحت کے لیے بہت سی دعائیں کریں۔۔ان کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے اور ان کو آپ سب کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔"

وہ کس دل سے سارا کے ساتھ یہ بات کر رہے تھے یہ ان کو پتہ تھا یا ان کے خدا کو۔۔لیکن جو حقیقت تھی وہ تو

چھپا نہیں سکتے تھے۔

"میری تو آتی جاتی ہر سانس ماں کے لیے دعا گو ہے میرے دل کی ہر دھڑکن ان کی زندگی کے لیے ورد کر رہی ہے تسبیح پڑھ رہی ہے۔"

بات کرتے ہوئے سارا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

ڈاکٹر ابراہیم نے آگے بڑھ کر سارا کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے تسلی دینے لگے۔

"میرا ایمان ہے کہ دعائیں تقدیریں بدل دیتی ہیں اور اگر دعائیں مانگنے والے ہاتھ اک بیٹی کے ہوں پھر تو اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو کبھی بھی رائیگاں نہیں جانے دیتا۔" ان کا مشفقانہ انداز سارا کے دل میں چھپی کدورتیں مٹا رہا تھا۔۔ سارا کو لگا اگر کچھ دیر اور وہ ان کے ساتھ اسی طرح بات کرتے رہے تو اس کا دل ان کی طرف سے بالکل صاف ہو جائے گا؟

وہ سارا دن اس نے ماں کے ساتھ گزارا اور شام ہوتے ہی۔۔ شگفتہ نے اس سے اور ولید سے درخواست کی کہ تم لوگ اب گھر چلے جاؤ۔۔ سارا ان کے پاس ہی رہنا چاہتی تھی اس نے بہت ضد کی لیکن ان کے اصرار پر بادل ناخواستہ ولید کے ساتھ گھر چلی گئی۔۔ ولید نے مکمل یقین دہانی کرا دی تھی کہ ان کا خیال بہت اچھی طرح رکھا جا رہا ہے۔ شگفتہ نے بھی بیٹی کو یقین دلایا کہ اب وہ پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہی ہیں شگفتہ کی خواہش تھی کہ وہ آج رات ولید کو ساری تفصیل بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لے اور سارا کی موجودگی میں یہ سب ناممکن تھا۔۔ دوسرا وہ ولید اور سارا کو قربت کا موقع بھی دینا چاہتی تھی

☆......☆......☆

وہ دونوں گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی جسے دیکھ کر ولید حیران ہوا۔

"آپ نے اس گاڑی کو دیکھ کر بے وقوفوں کی طرح منہ کیوں کھول لیا ہے؟"

وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی اس کی کیفیت نوٹ کر چکی تھی۔

"یہ میری دوست علشبہ علی خان کی گاڑی ہے۔۔ اس کی وطن واپسی میں ابھی چند دن باقی تھے شاید وہ سرپرائز دینے کے لیے۔۔ جلدی آ گئی ہے یا مجھے اس نے غلط تاریخ بتائی تھی۔" وہ غیر ارادی طور پر ولید حسن

کے انداز میں خوشی یا مسرت ڈھونڈنے لگی تھی۔

''اوہ تو وہی گرل فرینڈ ہے آپ کی؟'' وہ لاپرواہی سے بولی۔

''کیوں جلن ہو رہی ہے؟'' وہ اسے دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

''ارے منہ دھو رکھو۔۔ یہ منہ اور مسور کی دال میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں کہ اک معمولی لڑکی سے جلنے لگوں۔۔ مجھے جلانے کے لیے تو ابھی تک کوئی مائی کی لعل پیدا ہی نہیں ہوئی۔'' اس کے غلط جملے نے اسے ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''معمولی سی لڑکی؟ ارے ابھی آپ نے اس لڑکی کو دیکھا ہی کہاں ہے؟ اس کو اگر ایک نظر دیکھ لیا پھر اندازہ ہو گا کہ وہ اس قابل ہے یا نہیں کے اس کے ساتھ جلن محسوس ہو۔۔۔ توبہ ہے یار یہ بہنیں بھی ناں کتنی جھوٹی ہوتی ہیں آپا نے کہا تھا کہ شادی کے بعد تمہاری زندگی سنور جائے گی۔۔ ارے تم کیا کسی کی زندگی سنوارو گی؟ تم پہلے اپنی اردو ٹھیک کرو پھر اپنے اخلاق سنوارو کیا شوہر کو کوئی یوں کہتا ہے کہ یہ منہ اور مسور کی دال۔۔؟''

'' سچ کہنے میں کیا ڈرنا؟ سچ ہی تو کہا ہے۔''

''سچ کہنا تو بہت آسان ہے سچ سننے کی ہمت بھی ہے تمہارے اندر؟''

وہ چپ رہی۔

''میں نے کبھی تمہیں کہا ہے کہ پہلی بار جب تم ملی تھیں تو تمہاری شکل مجھے کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھی۔؟''

ہاں تو اس میں نہ کہنے کی یا چھپانے کی کیا بات ہے؟ انڈین فلمیں تو ہر پاکستانی کی طرح آپ بھی دیکھتے ہوں گے لیکن آپ میں شاید اتنا ظرف نہیں ہے کہ سچی تعریف کرتے ہوئے مجھے یہ کہہ سکیں کہ مس سارا عزیز خان آپ کی شکل کرینہ کپور سے ملتی ہے'' وہ اک ادا سے بال جھٹکتے ہوئے گاڑی سے اترتے ہوئے بولی تو وہ اسے طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے زور زور سے ہنسنے لگا۔

''جی نہیں سارا بی بی میں بچپن سے ٹی وی پر عینک والا جن دیکھتا آیا ہوں۔۔۔ آپ کو پہلی بار دیکھ کر ہی میں نے پہچان لیا تھا کہ بل بتوڑی ناساں چوڑی سے ہو بہو ملتی ہے آپ کی شکل وصورت۔'' اس کی بات سن کر اس نے اپنی ستواں ناک کو بے ساختہ چھوتے ہوئے اسے غصیلی نظروں سے اسے گھورا اسے اپنی ستواں ناک

ہمیشہ سے بہت پسند تھی۔زیادہ پنجابی تو اسے نہیں آتی تھی لیکن ناساں چوڑی کا مطلب بخوبی سمجھ آ گیا تھا۔اب اس کی نظر ولید حسن کے قدرے نمایاں کانوں پر پڑی جو لمبے تو نہ تھے لیکن نارمل بھی نہیں تھے بلکہ ذرا سے نارمل سے زیادہ تھے۔۔اس سے پہلے کہ وہ جوابی وار اس کے کانوں پر کر کے اپنی پیاری سی ستواں ناک کا بدلہ لیتی۔۔اندر سے مسکراتی ہوئی ایک انتہائی خوبصورت ساحرہ نمودار ہوئی اور اس کا ملکوتی حسن دیکھ کر تو پل بھر کے لیے سارا بھی مبہوت سی اسے دیکھے گئی۔

نکھرے نکھرے چہرے پر زلفوں کی ریشمی لٹیں ہلکی ہلکی ہوا سے اڑی جا رہی تھیں اس نے سفید سوتی غرارے کے ساتھ آتشی گلابی پھولوں والا گھٹنوں سے قدرے اوپر کرتا پہن رکھا تھا جس کے ساتھ سفید کلف لگا گلابی بارڈر والا بڑا سا دوپٹہ کندھوں پر پھیلایا ہوا تھا۔اس کے گلابی گال کرتے کے پھولوں کے ہم رنگ نظر آ رہے تھے۔گالوں کے ہی ہم رنگ لپ اسٹک نے اس کے تر وتازہ روپ کو مزید نکھار بخش دیا تھا۔دونوں ایک دوسرے کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھ رہی تھیں۔۔سارا کی آنکھوں میں لاپرواہی تھی لیکن علشبہ علی خان کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اسے پرواہ ہے اور وہ رقیب سمجھ کر جانچتی ہوئی سی نظر سے اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

''میں آپ دونوں خواتین کے درمیان خود کو آلو محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ باری باری دونوں کے چہرے دیکھ کر شریر لہجے میں بولا۔''چلیں علشبہ جی آپ کی آمد سے یہ خوش فہم محترم خود شناس تو ہو ہی گئے ہیں خود کو گلفام سمجھتے تھے اب الو پر آ گئے ہیں۔'' وہ بڑی بے تکلفی سے علشبہ کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔وہ گڑبڑا کر اس کی حاضر جوابی پہ سر کھجانے لگا۔

''کیسا لگا میرا سرپرائز ولید؟ وہ اسے مکمل نظر انداز کر گئی تھی۔

''کب آئیں آپ؟ وہ اس کی بات کا جواب گول کر گیا۔

''آج ہی آئی ہوں اور آتے ہی سیدھی آپ کی طرف آ گئی۔آپ نے تو باوجود میرے کہنے کے اپنی زبردستی کی بیوی کی تصاویر نہیں بھیجی ناں۔۔تو میں نے سوچا خود ہی جا کر دیکھ لوں زبردستی کی بیوی ہی سہی لیکن خوش قسمت تو ہے نا یہ سارا عزیز خان کہ اسے قانونی طور پر آپ کی بیوی ہونے کا حق حاصل ہے۔'' اس نے گلابی گال پر آئی سنہری لٹ کو اک ادا سے جھٹکا دے کر پیچھے کرتے ہوئے کہا تو سارا اس کے لہجے کی حسرت

محسوس کر کے یکدم چونک سی گئی۔۔۔اور اسے بغور دیکھنے لگی۔

"زبردستی میرے ساتھ ہوئی ہے یہ تو مرد ہیں ان کے ساتھ کون زبردستی کر سکتا ہے؟ یہ سب ان کی مرضی اور پسند سے ہوا ہے اور اب یہ آپ سے جان چھڑانے کے لیے یہ زبردستی والا شوشہ چھوڑ رہے ہیں یقین نہ کیجیے گا ان کی بات کا۔۔ ویسے بھی کامن سینس کی بات ہے کیا مجھ جیسی حسین و جمیل لڑکی سے کوئی عقل اور ہوش والا زبردستی کا رشتہ بنائے گا کہ مرضی اور خوشی کا رشتہ بنائے گا؟" وہ یونہی اس کے تاثرات دیکھنے کے لیے شوخ ہوئی لیکن اس کی بات کے ردعمل میں علشبہ کی رنگت متغیر ہو گئی تھی۔

"اندر چل کر بات کرتے ہیں آپ نے کچھ کھایا پیا بھی ہے کہ زیتون خالہ نے صرف کہانیوں پر ٹرخا دیا ہے" وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ اندر جانے لگا تو سارا پیچھے رہ گئی تھی۔اسے اپنا آپ یکدم ہی بہت بے مایہ سا لگنے لگا تھا۔۔وہ باہر ہی برآمدے میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ولید حسن کبھی بھی مڑ کر پیچھے نہیں دیکھے گا نہ یہ سوچے گا کہ اس کی نام نہاد بیوی پیچھے آ رہی ہے یا نہیں اور ایسا ہی ہوا وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اندر چلے گئے تھے اور وہ سارا عزیز خان بالکل اکیلی باہر بیٹھی لان میں لگے سورج مکھی کے پھولوں کو دیکھ رہی تھی جن کی اپنی کوئی سمت نہیں ہوتی سورج کے ساتھ ساتھ وہ رخ بدلتے رہتے ہیں وہ سوچنے لگی "کیا میری بھی کوئی ایک سمت کوئی ایک رخ کبھی نہیں ہوگا۔۔میں اس نام نہاد رشتے کے تعاقب میں چلتی رہوں گی؟ کیا ضروری ہے کہ میں خود کو پھول بنا تا کر سمتیں بدلوں میں تو خود کو سورج سمجھ کر اپنی جگہ قائم رہوں گی۔۔۔وہ ، یا کوئی اور سورج مکھی بنتا ہے تو بنتا رہے۔۔لیکن سارا عزیز خان! اس نے خود کو مخاطب کیا سورج بننا بھی تو آسان نہیں ہے۔۔بہت جلنا پڑتا ہے سورج کو اور تم میں اتنی ہمت نہیں کہ خود اپنی تپش میں جلتی رہو ,لیکن سورج شام کو ڈوب بھی تو جاتا ہے وہ کب قائم رہتا ہے؟ اس کے اندر سے اک آواز آئی تو اس نے آسمان کی طرف دیکھا جہاں سورج کا وجود نہیں تھا۔یہ تو نظروں کا دھوکا ہے اگر ادھر سورج نظر نہیں آ رہا تو کہیں اور پوری آب و تاب سے چمک رہا ہوگا یہ تو قائم رہے گا روزِ قیامت تک یہ اللہ کا وعدہ ہے" اس نے یہ سوچتے ہوئے خود کو تسلی دی اور اداسی کو اپنے پورے وجود پر غالب نہیں ہونے دیا لیکن وہ بھی اداسی تھی۔کہیں نہ کہیں اپنا ٹارگٹ دیکھ کر قابض ضرور ہو جاتی ہے اس کا دل اداسی کا سب سے پہلا ہدف تھا دل پر تو قابض ہو چکی تھی لیکن وہ

سوچ رہی تھی اچھا ہے کہ دل کسی کو نظر نہیں اتا اگر یہ دکھائی دیتا تو لوگ اپنا بھرم کیسے رکھتے۔کہاں جاتی انا؟ کہاں رہتی خودداری؟ وہ سوچوں میں گم وہیں بیٹھی تھی ک چند منٹ بعد غیر متوقع طور پر ولید حسن کی آمد ہوئی سارا سپاٹ سے انداز میں اسے اپنی طرف آتے دیکھا اس کے ہاتھ میں ٹرے تھا۔

''قسم سے یہ مہمان نوازانہ فطرت بھی اک فضول کی ٹینشن ہے ابھی ٹھیک ٹھاک مزے سے زیتون خالہ کے جھریوں بھرے ہاتھوں کی ذائقے بھری چائے پی رہا تھا ساتھ میں سامنے بیٹھی ڈاکٹر علشبہ علی خان کی میٹھی فلسفے کے ہلکے ہلکے تڑکے والی باتیں بھی سن رہا تھا ٹھنڈا ٹھنڈا آئسکریم کیک,اور گرم گرم پکوڑوں اور,پیزا کا حسین امتزاج سامنے رکھا دعوت دے رہا تھا پیزا کہتا پہلے مجھے کھاؤ کہ میں کسی دور دیس سے لذت دہن کے لیے بلایا گیا ہوں,جبکہ پکوڑے اپنی خوشبوؤں کا جال پھینک کر گھیرنے کی کوشش میں مگن تھے انہیں یہ غرور کہ ہم تو مقامی ہیں ہماری قدر زیادہ ہے ہمیں غریب بھی کھاتا ہے اور امیر بھی,اور بے چارا آئسکریم کیک ٹھنڈ سے اکڑا ہوا اک شان بے نیازی سے ہمیں گھورے جا رہا تھا اپنی لال لال چیری والی آنکھوں سے یہ سمجھ کر کہ مرچوں والی چیزیں کھانے کے بعد میری ضرورت تو پڑے گی ضرور,تو اس ساری تمہید کی وجہ یہ ہے کہ میری ہمدردی اور مہمان نوازی سے بھرپور فطرت نے مجھے نہ چین سے پیزا کھانے دیا نہ پکوڑے اور نہ کیک۔کیونکہ میرے دل میں بار بار یہ ہی خیال آ رہا تھا کہ اک مہمان میرے ساتھ آئی ہیں جو باہر اکیلی بیٹھی پھولوں کو گھورے جا رہی ہیں یہ سوچتے ہوئے کہ اے پھولو تم خوشبو بکھیرتے ہو جبکہ میں اپنی باتوں سے دوسروں کو آگ لگاتی ہوں۔'' وہ شروع ہوا تو چپ ہی نہیں کر رہا تھا سارا ہونق بنی منہ کھولے اس کی بے سروپا باتیں سن رہی تھی۔۔اور آخری بات پر تو اسے واقعی ہی آگ لگ گئی تھی۔

''آپ نے مہمان کسے کہا؟ مسٹر آئیں بائیں شائیں۔'' کافی ٹائم بعد اسے ہوں پکارا تھا سارا نے۔

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ جو بڑا سا خوبصورت گھر ہے نا یہ آپ نکاح کے وقت حق مہر میں مجھے لکھ کر دے چکے ہیں تو یاد رکھیے کہ آپ اور مس علشبہ علی حسن اس گھر میں مہمان ہیں میں تو مالکن ہوں اس گھر کی۔'' اس کے پر اعتماد لہجے نے ولید کو چپ کرا دیا تھا وہ اندر ہی اندر اس کے اعتماد سے متاثر بھی ہوا تھا

"اور___اور زیتون خالہ وہ کیا ہیں؟ ان کی حیثیت کے بارے میں بھی کچھ فرما دیجیے کچھ روشنی ڈال

دیجیے۔" وہ ٹرے اس کے سامنے رکھ چکا تھا اور اب ڈرے ڈرے لہجے میں اس سے زیتون خالہ کا پوچھ رہا تھا۔

"ویسے آپ اداکار بہت اچھے ہیں۔" وہ اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"پکوڑے اچھے بناتی ہیں زیتون خالہ۔" اس نے پکوڑوں سے اپنی انصاف پسندانہ فطرت کے عین مطابق انصاف کرنا شروع کر دیا تھا۔

"یہ پکوڑے ڈاکٹر علشبہ نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔" اس نے سارا کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تو ہنسنے لگی۔

"مسٹر آئین بائیں شائیں! آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ پکوڑے بیسن سے بنتے ہیں ہاتھوں سے نہیں۔" اور پیزا کا ایک پیس منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا

"پیزا بھی کسی حسینہ کے ہاتھوں کا کمال ہے یا آپ کی جیب سے نکلے ہوئے نوٹوں کا؟"

"یہ بھی علشبہ بنا کر لائی ہے اپنے ہاتھوں سے اسے پتہ ہے کہ مجھے پیزا بہت پسند ہے۔" ولید حسن کی اس وقت دلی خواہش تھی کہ وہ اس کے چہرے پر بیویوں والی جلن دیکھ سکے جو شوہر کے منہ سے کسی غیر عورت کی تعریف سن کر بیوی کے چہرے پر ضرور نظر آتی ہے۔ لیکن باوجود کوشش کے وہ جلن اس کے چہرے پر اسے نظر نہ آ سکی۔ وہ تو بڑے مزے سے مطمئن انداز میں کبھی پکوڑوں سے انصاف کر رہی تھی اور کبھی پیزا سے۔

"واہ یہ ڈاکٹر علشبہ تو ہر فن مولا ہیں نہ پیزا اسے سپرٹ اور ڈیٹول کی بو آ رہی ہے نہ پکوڑوں سے۔۔ مطلب یہ ہاتھ دھو کر کوکنگ کرتی ہیں۔" وہ بھی بے تکی باتیں کر سکتی ہے یہ تو ولید کو پتہ تھا لیکن ایسی بے تکی کی امید نہیں تھی۔

"ارے یہ کیسی زبردستی کی ان چاہی شادی ہے؟ کہ دونوں سر جوڑے بیٹھے ہیں۔۔ ولید حسن آپ کو اتنا بھی نہیں پتہ کے میں پاکستان آتے ہیں سیدھی دوڑتی ہوئی آپ کے گھر آئی ہوں۔ اور آپ مجھے اندر اکیلا چھوڑ کر خود باہر بیٹھے ہوئے ہیں زیتون خالہ سے بھی آخر کتنی دیر باتیں کر سکتی ہوں جبکہ ان کو بھی اور مجھے بھی یہ پتا ہے کہ میں ان سے ملنے یا ان سے باتیں کرنے نہیں آئی ہوں۔" وہ تاثرات جو ولید حسن! سارا عزیز خان کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا وہ اسے علیشبہ علی خان کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔

"ویسے بائی دا وے پکوڑے اور پیزا دونوں بہت مزے کے ہیں میں نے زیتون خالہ کو پکوڑے بنانے

اور پیزا منگوانے پر انعام دے دیا ہے۔" وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ چکی تھی۔

علشبہ کی بات سن کر سارا نے ملامتی انداز میں ولید حسن کو گھورا اور دل ہی دل میں جھوٹوں کے بادشاہ کا خطاب بھی دے دیا

"علشبہ جی انشاء اللہ تعالیٰ جب آپ اگلی بار ہمارے گھر آئیں گی تو میں اپنے ہاتھوں سے بیک کیا ہوا پیزا آپ کو ضرور کھلاؤں گی۔ بے شک آپ مجھے انعام نہ بھی دیں۔"

علشبہ نے سارا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے حیرانگی سے ولید حسن کی طرف دیکھا۔

اور پھر سارا کے سامنے پڑے ہوئے لوازمات کو دیکھنے لگی بڑی نفاست سے ولید حسن نے خود ہی اس کے لیے ٹرے سجایا تھا۔ اب وہ سارا کی طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا

"مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ آپ چائے میں کتنی چینی لیتی ہیں لیکن میں نے احتیاطاً زیتون خالہ کی انگلی چائے میں ڈبو دی تھی کہ کہیں چائے زیادہ میٹھی نہ ہو جائے۔" سارا نے اس وقت تک چائے کا ایک گھونٹ بھر لیا تھا۔ ولید حسن کی بات سن کر اس نے جلدی سے چائے کی پیالی ٹیبل پر واپس رکھ دی۔

"آپ ڈاکٹر ہو کر بھی کتنی خراب اور ان ہائی جینک باتیں کرتے ہیں؟ میں جا کر خود ہی اپنے لئے اچھی سی چائے بنا کر پیتی ہوں۔" وہ ایک بار پھر دونوں کو اکیلا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

"ولید حسن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کو سارا سے محبت ہو گئی ہے" یہ سوال کرتے ہوئے علشبہ کے ہونٹ تو مسکراہٹ کے نام پر ذرا سے پھیل گئے لیکن اس کا دل اندر سے نوحہ کناں تھا۔

"علشبہ مجھے یہ تو نہیں پتا کی یہ محبت ہے یا کچھ اور لیکن اب یہ لڑکی مجھے اتنی بری نہیں لگتی جتنی کہ پہلے لگا کرتی تھی۔" ولید کی اس بات نے اس کو اندر تک اداس کر دیا تھا۔ اور یہ اداسی باوجود چھپانے کے اس کے چہرے پر واضح نظر آنے لگی تھی۔

"آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا ہے اس لڑکی میں ایسا جو مجھ میں نہیں ہے؟"

وہ اس کے سوال پر کچھ دیر تو اس سے دیکھتا رہا اور پھر ایک دم سے بولا

"نکاح"

"تو پھر مجھ سے بھی نکاح کر لیں ناں"

وہ اس کے بے ساختہ جواب پر ساکت سا بیٹھا تھا۔

"میں کسی جانور یا پرندے کو بھی تکلیف نہیں دے سکتا میں کیسے ایسی لڑکی کو سوکن کی اذیت دوں اتنی بڑی تکلیف دوں جیسے قسمت نے میرا نصیب کر دیا ہے میں اس یتیم لڑکی کو تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا جس کا دنیا میں صرف ایک ہی سہارا ہے اور وہ سہارا بھی اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ خود سہاروں کا محتاج ہے۔ سارا کی والدہ شدید بیمار ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ سارا کا دنیا میں ان کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔ ہم رات دن ان کی والدہ کے سامنے یہی شو کر رہے ہیں کہ ہم دونوں کی زندگی بالکل نارمل گزر رہی ہے اور وہ اپنی بیٹی کو میرے ساتھ خوش دیکھ کر بہت مطمئن ہیں اور میں صرف یہ سوچ کر خوش ہو رہا ہوں کہ چلو اس رشتے سے کوئی تو خوش اور مطمئن ہے میں بھلا ایک مرتی ہوئی ماں کی زندگی میں دکھ کی وجہ کیسے بن سکتا ہوں۔"؟ ولید حسن کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"لیکن آپ دونوں ایک دوسرے کو سخت ناپسند کرتے ہو یہ بات آپ نے خود ہی مجھے فون پر بتائی تھی اسی لئے تو مجھے اس نکاح پر وہ تکلیف نہیں ہوئی جو ہونی چاہیے تھی کیونکہ میرا ماننا یہی ہے کہ سہاگن وہی جو پیا من بھائے۔ اور اب اس لڑکی کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یہی اندازہ لگایا ہے کہ یہ لڑکی آپ کے قابل نہیں بھلا کوئی ایسی لڑکی آپ کے قابل کہاں ہو سکتی ہے جسے آپ کی قدر و قیمت کا احساس ہی نہ ہو اسے تو آپ کی اتنی بھی پروا نہیں ہے کہ وہ ایک غیر لڑکی کے ساتھ آپ کو اکیلا بیٹھا ہوا چھوڑ کر خود اندر جا چکی ہے۔"

ولید حسن کے اس اعتراف کے بعد کہ وہ لڑکی اب اسے اتنی بری نہیں لگتی جتنی کہ شادی کے وقت لگتی تھی۔۔ علشبہ کو سارا بہت بری لگنے لگی تھی۔

"مجھے لگتا ہے کہ انہیں شاید مجھ پر کچھ زیادہ ہی بھروسہ ہے بے شک ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے نہ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالی نے ہماری تقدیروں کو ایک ہی بندھن میں باندھ دیا ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں اور وہ بھی جانتی ہے کہ یہ بندھن ہم کبھی توڑیں گے نہیں اپنی خوشی کے لیے نہ سہی دوسروں کی خوشیوں کیلئے ہم دونوں کو ہمیشہ ساتھ رہنا ہوگا۔۔ اور میرے خیال میں وقت کے ساتھ ساتھ ہم

دونوں ایک دوسرے کو کم از کم اتنا تو سمجھیں گے کہ ایک دوسرے کو آسانی سے برداشت کر سکیں۔"

"کیا پوری زندگی ایک ایسی عورت کے ساتھ گزار لیں گے۔۔ جسے نہ آپکی قدر ہو, جو نہ آپکی عزت کرتی ہو, اور جو نہ آپ سے محبت کرتی ہو, اور ایک ایسی ہی عورت کے لئے آپ اس عورت کا دل دکھاتے رہیں گے مسلسل, جو آپ کی بہت عزت بھی کرتی ہے جو آپ سے بہت محبت بھی کرتی ہے اور جسے آپ کے سوا دنیا میں اور کسی کی پرواہ نہیں ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں اور میں بھی کہ میں نے آپ کو کبھی مجبور نہیں کیا کہ مجھ سے محبت کریں یا میری عزت اور پرواہ کریں یہ آپ کا قطعی ذاتی فعل ہے۔" اب کی بار ولید حسن کا لہجہ کچھ سخت ہو گیا تھا۔ شاید اس سے اتنی سچائی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اسے دل ہی دل میں سارا پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا جو اسے یوں اکیلا چھوڑ کر اندر چلی گئی تھی اس لڑکی کے ساتھ یہی طے ہوا تھا کہ دنیا کے سامنے نارمل انداز میں رہنا ہو گا۔

"لیکن ولید حسن تم نے خود ہی اس معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔۔اس کے اندر سے ایک آواز آئی جو اسے ملامت کر رہی تھی۔

"میں نے ایسا کیا کر دیا ہے کہ معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام مجھ پر آ رہا ہے؟ اس نے اپنے اندر سے اٹھنے والی آواز کو جواب دیا۔

"ولید حسن تم نے ہی تو علشبہ کو اپنے اور سارا کے رشتے اور تعلقات کے بارے میں ساری تفصیل بتائی تھی تم نے خود ہی تو ایک غیر لڑکی کے سامنے یہ اعتراف کیا تھا کہ مجھے سارا سے اور سارا کو مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور ہماری شادی زبردستی کا سودا ہے۔" اندر سے اٹھنے والی آواز ملامتی انداز لئے ہوئے تھی

ولید حسن شرمندہ سا اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھنے لگا۔

"دیکھو علشبہ ہمارے ہاں شادیاں عموماً اسی طرح ہی ہوتی ہیں۔ہمارے ہاں جہاں تک میں نے دیکھا ہے شادی سے پہلے بہت کم لوگوں کو ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے۔ہم اس معاشرے میں رہنے والے لوگ ہیں جو محبت کر کے شادی نہیں کرتے بلکہ شادی کر کے محبت کرتے ہیں اور یہ محبت پائیدار بھی ہوتی ہے۔آپ کو

اچھی طرح سے پتہ ہے کہ جس طرح میں نے میڈیکل کالج میں لڑکیوں کے ساتھ پڑھتے ہوئے وقت گزارا ہے۔میں نے ہمیشہ دوسروں کی عزت کو اپنی عزت سمجھ کر دوسروں کی بہنوں بیٹیوں کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔

ہمارے آس پاس رہنے والے مردوں میں سے بہت سے مردوں کی طرح میرے ذہن میں بھی یہ بات واضح تھی کہ شادی کا فیصلہ میں نے اپنی پسند سے نہیں کرنا ہے میں نے ہمیشہ آپ کو بھی یہی کہا کہ میں شادی اپنی آپا کی پسند سے ہی کروں گا اور میرے بہت سے کلی جس کو بھی یہ پتا تھا کہ وہ شادی اپنی فیملی کی پسند سے ہی کریں گے لیکن میں نے جیسا کہ اپنے آس پاس دیکھا لڑکے جانتے بوجھتے ہوئے بھی لڑکیوں کو اس خوش فہمی میں مبتلا کئے اپنے ساتھ لیے لیے پھرتے تھے کہ وہ ان سے شادی کرلیں گے ان کو اپنی حیات کا شریک بنالیں گے لیکن ایسا ہوتا نہیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میں کسی بھی عزت دار گھرانے کی لڑکی کو اپنے ساتھ لے لیے ہوٹلز اور ریسٹورنٹس میں گھومتا پھرتا رہوں اور جب شادی کا وقت آئے تو یہ بہانہ بنا کر الگ ہو جاؤں کہ میری فیملی یہ رشتہ نہیں کرنا چاہتی۔میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ میں جب کسی کی عزت کا خیال رکھوں گا تو مجھے بھی اللہ جواب میں عزت دار لڑکی کا نصیب بنائے گا وہ لڑکی جسے یونیورسٹی کالج میں کسی لڑکے نے ہوٹلز اور ریسٹورنٹس میں اپنے ساتھ دھوکے سے نہیں پھرایا ہوگا یہ کہہ کر کہ میں تمہارے ساتھ شادی ضرور کروں گا مجھے پورا یقین ہے کہ سارا وہ اللہ کا انعام ہے جو صرف اور صرف میرے نصیب کا ہے۔“ وہ دھیمے لہجے میں لمبی بات کر کے چپ ہوگیا تھا۔اسے بڑی شدت سے خود ہی محسوس ہونے لگا تھا کہ ان دنوں وہ مختصر بات کرنے والا ولید حسن بہت بدل گیا ہے وہ سوچنے لگا کہ شاید یہ محبت کا اثر ہے۔تو جب مجھ پر محبت کا اثر ہو رہا ہے اور میں لمبی لمبی باتیں کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ محبت کا اثر سارا پر بھی ضرور ہوا ہوگا اور وہ میری طرح صرف ضرورتا ہی بات کیا کرے گی وہ اپنی سوچ پر خود بخود مسکرانے لگا۔

”اچھا اب مجھے چلنا چاہیے“ علشبہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو ولید حسن بھی اس کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

”ارے کہاں جا رہی ہیں آپ علشبہ جی!میں آپ کے لئے کھانے کا انتظام دیکھ رہی ہوں آپ کھانا کھا کر ہی جایئے گا۔میں بہت اچھا کھانا بنانے کا دعویٰ تو نہیں کرتی لیکن پھر بھی میں کھانا ٹھیک ہی بناتی ہوں میری ماں کہتی ہیں کہ میرے ہاتھ میں بہت لذت ہے اور یہ لذت بغیر محنت کے بھی آجاتی ہے کھانے والے کو یہ لذت چونکنے

پر مجبور کر دیتی ہے۔ ماما یہ بھی کہتی ہیں کہ یہ قدرتی ذائقہ اللہ نے اچھی سوچ رکھنے والے مخلص لوگوں کے ہاتھوں میں رکھا ہے۔ میں اپنی تعریف تو نہیں کر رہی بس ہو بہو مما کے الفاظ دہرا رہی ہوں شاید ساری ماؤں کو اپنی بیٹیوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بہت اچھا لگتا ہے؟ میرا مسئلہ یہ ہے کہ آج تک میں نے جو بھی پکایا ہے وہ اپنی ماں کو ہی کھلایا ہے اور جواب میں ماں نے بہت زیادہ تعریفیں کی ہیں اس لئے کیوں نہ آج ایسا کریں گے آپ میرے ہاتھ کا پکا کھانا کھا کر مجھے سچ سچ بتائیں کہ ماما سچ کہتی ہیں یا یوں ہی میرا دل رکھنے کے لیے حوصلہ افزائی کرتی آئی ہیں؟" علشبہ کے ساتھ ہی کھڑے ولید حسن نے اس کی باتیں سن کر سوچا۔ "یہ محض میری خوش فہمی یا خام خیالی ہے کہ یہ لڑکی بھی میری صحبت سے کچھ سیکھ سکتی ہے۔

"ٹھیک ہے سارا جب آپ اتنا اصرار کر رہی ہیں تو میں آپ کے ہاتھ کا پکا کھانا کھا کریں جاؤں گی۔ مجھے اپنی ماں کے ہاتھ کے پکے کھانے کی عادت ہے لیکن اس بار میری ماں باہر ہیں وہ میرے ساتھ پاکستان واپس نہیں آئیں کہ ان کی طبیعت کچھ اچھی نہیں تھی وہ بار بار نوکروں کو فون پر ھدایات دے رہی ہیں میرے کھانے پینے کا خیال رکھنے کے لیے۔"

وہ تینوں اکٹھے اندر جا چکے تھے لان کے ساتھ ہی کیاری میں لگے سورج مکھی کے اداس اور مرجھائے ہوئے پھول اس لڑکی کو بہادری سے اپنے اندر کی کیفیات پر قابو پاتے دیکھ کر مزید اداس ہو گئے تھے وہ نہیں جانتی تھی کہ ولید حسن نے علشبہ سے کیا باتیں کیں لیکن اندر جاتے ہی زیتون خالہ نے اس کا استقبال بہت محبت سے کیا اور پھر چپکے سے اسے بتانے لگیں

" یہ لڑکی برسوں سے ہمارے بچے کے پیچھے پڑی ہوئی ہے ایک بار تو ایسا ہوا کہ بٹیا کے گھر تک پہنچ گئی تھی اور انہیں بھی اپنے نرم لہجے اور بھولی صورت کے سحر میں جکڑ لیا تھا پھر میری سادہ سی بٹیا ان کے گھر اک تقریب میں چلی گئیں۔ ولید بیٹا کہتا رہا کہ آپا چھوڑیں کیا کرتی ہیں؟ لیکن وہ نہ مانیں اور بار بار اس شال کو دیکھ کر خوش ہوتی رہیں جو علشبہ تحفے میں ان کے لیے لائی تھی بٹیا کو لگ رہا تھا کہ علشبہ کی اور اس کی پسند بہت ملتی جلتی ہے اس لیے تو وہ وہی شال اس کے لیے تحفے میں لائی ہے جو وہ اپنے لیے مارکیٹ میں پسند کر کے چھوڑ آئی تھیں۔"

"جب آپا ان کے گھر گئیں تو پھر کیا ایسا دیکھ لیا کہ بھابھی نہ بنایا علشبہ کو؟"

سارا نے ان سے سوال کیا جس کا جواب انہیں نہیں معلوم تھا۔

”یہ بات اس نے کسی کو نہیں بتائی بس ولید بیٹا اور بٹیا ہی جانتی ہیں کہ وہ کیوں وہاں سے اداس اور الجھی ہوئی لوٹی تھیں لیکن میں جہاں تک دونوں بہن بھائیوں کو جانتی ہوں وہ کوئی بات چھپا رہے تھے وہاں سے واپس آ کر۔“

زیتون خالہ نے اسے چکن دھو کر دیا وہ بریانی بنا رہی تھی اپنے شوہر کی گرل فرینڈ کے لیے دل میں اک عجیب سا سناٹا پھیلا ہوا تھا جی چاہ رہا تھا ماں کی آغوش میں منہ چھپا کر چپ چاپ لیٹ جائے ماں کی انگلیوں کے سرور سے نیند کی وادیوں میں اڑتی پھرے اور اچھی پریوں کے خوابوں میں سانس لیتی رہے کوئی دکھ کوئی غم اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے پاس نہ آسکے لیکن وہ تو اپنے شوہر کے گھر پہلی بار کچن میں کچھ پکانے آئی تھی اس کا دل چاہا اس اداسی کو جلتے ہوئے چولہے میں پھینک کر اس کے جلنے کا نظارہ کرے اور جب اداسی فریاد کناں ہی اسے دیکھے تو کہہ دے ”مجھے جلا دیا اب اپنے جلنے کا درد بھی سہو۔ وہ بظاہر تو چپ چاپ کام میں مگن تھی۔ لیکن اس کی ساری حسیات ایک دوسرے کی باتیں غور سے سنتے اس جوڑے پر مرکوز تھیں جو دو الگ الگ راستوں کے مسافروں کی اتفاقی یکجائی نظر آ رہی تھی اور جسے وہ دونوں اپنی اپنی تھکن اتارنے کے لیے استعمال کر رہے تھے راستے میں تھک کر بیٹھ جانے والوں کو منزل تک پہنچنے میں وقت بہت لگتا ہے لیکن وہ لوگ منزل پر پہنچتے ضرور۔

☆......☆......☆

”ابراہیم میں آپ کو سب کچھ بتانا چاہتی ہوں میرے پاس بیٹھ کر سن لیں یہ نہ ہو کہ بعد میں پچھتاوا ہی پچھتاوا رہ جائے۔“

وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ابراہیم کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”میں بھی سب کچھ جاننا چاہتا ہوں شگو! لیکن تمہاری حالت ایسی نہیں کہ تم۔ یہ سب کچھ برداشت کر سکو۔ ہر ہر لفظ سے اذیت ہوگی تمہیں اور مجھ سے یہ سب نہیں دیکھا جاتا۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھے تھے شگفتہ کی طبیعت کچھ بہتر تھی لیکن ماضی کے پتھریلے رستوں پر چلتے ہوئے اپنا توازن قائم رکھنا بہت مشکل کام تھا اچھے بھلے انسان کے پاؤں پھسلنے اور منہ کے بل گرنے کا ڈر رہتا تھا وہ تو اس پوزیشن میں ہی نہیں تھی کہ کسی رستے پر پیدل

سفر کرے۔

"یہ تو جاننا چاہو گے کہ عزیز احمد خان کون تھے اور کیسے مجھ سے ملے؟"

اس کی سوالیہ نظروں کی تاب نہ لا کر وہ سر جھکا چکا تھا۔

"یہ تو ایسا سوال ہے کہ برسوں سے جس کا جواب مجھے نہیں مل رہا۔۔۔میں نے یہ سوال ماں سے بھی کیا تھا اور موبل سے بھی اور تمہیں اچھی طرح یاد ہو گا کہ یہ سوال میں نے تم سے بھی کیا تھا۔۔تم جو عزیز احمد خان کی دلہن بننے جا رہی تھی تمہیں اپنا وہ جواب ضرور یاد ہو گا جو میں مسلسل کئی سال سے بھولنے کی شعوری کوشش کر رہا ہوں۔"

ابراہیم کے انداز میں ہلکی سے شکایت در آئی تھی۔

وہ ایک اداس سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں اب تم سے کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی ہر چیز تمہیں صاف صاف بتانے کا فیصلہ کر چکی ہوں

"تائی جان اور موبل کی باتوں سے مجھے یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ موبل نے کسی امیر آدمی سے نکاح کر لیا تھا چھپ کر اور اب اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے لیکن اس سے آگے میں خوف کی وجہ سے مزید کچھ جاننا بھی نہیں چاہتی تھی اس لیے میری کوشش یہ ہوتی کہ گھر کا کام ختم کر کے اپنے نیم تاریک کمرے میں پڑی رہوں لیکن تائی جان کے اس دن کے ظلم نے مجھے بہت ڈرا دیا تھا میرے بازو پر کئی دن تک وہ چھالے مجھے تڑپاتے رہے میں ساری ساری رات تڑپتی رہتی تھی لیکن کوئی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر نہیں جاتا تھا آپ کا فون آتا تو سب باتیں کرتے لیکن مجھے کوئی نہیں بلاتا تھا۔

انہی دنوں ہمارے گھر ایک بار اتفاق سے شاہد بھائی آ گئے تھے موبل ان کے پاس بیٹھی حسب معمول گپیں لگا رہی تھی جب کہ مجھے تائی جان نے چائے بنانے کا حکم دیا میں کچن میں چائے بنا رہی تھی کہ موبل کی آواز آئی

"شگو چائے کے ساتھ مزے دار پکوڑے بھی بنا لو۔"

ان دنوں اسے چٹپٹی چیزیں اچھی لگ رہی تھیں۔ میری حالت ایسی نہیں تھی کہ میں زیادہ وقت چولہے کے پاس گزار سکتی۔اس وقت میرے ہاتھ میں بہت جلن ہو رہی تھی اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ شدید بخار میں میرا تمام جسم بھن رہا ہے۔

لیکن میں ان کے ڈر کے مارے کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔۔ میں تو یہ سوچ کر ہی مطمئن ہو گئی تھی کہ شکر ہے تائی جان نے میرے چہرے پر ابلتا ہوا پانی نہیں گرایا۔ ورنہ تو وہ اس گھر کی مختار تھیں اور میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

میں نے بمشکل تمام چائے اور پکوڑے بنا کر ٹرے شاہد بھائی کے سامنے رکھ دیا تھا۔

جیسے ہی میں ان کے سامنے چائے رکھ کر اٹھی ان کی نظر میری جلی ہوئی کلائی پر پڑ گئی۔

انہوں نے گھبرا کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ انتہائی افسوس بھری نظروں سے میری کلائی پر پڑے بڑے بڑے چھالے دیکھنے لگے۔

''اف میرے خدایا یہ تمہیں کیا ہوا ہے گڑیا!'' وہ بچپن سے ہی مجھے گڑیا کہہ کر پکارتے تھے۔

میں چپ چاپ کھڑی کبھی ان کی طرف دیکھ رہی تھی اور کبھی آنسو بھری نظروں سے موحل کی طرف دیکھنے لگتی۔

''تمہیں امی کے غصے کا تو پتہ ہے ناں شاہد؟ اس نے کوئی الٹا سیدھا کام کیا اور امی نے غصے میں آ کر اس پر ابلتا ہوا پانی گرا دیا۔''

موحل بہت لاپرواہ لہجے میں پکوڑے کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

شاہد بھائی نے افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر مجھے دیکھ کر بولے ''اف میرے خدایا تم تو بخار میں تپ رہی ہو۔ چلو گڑیا میں تمہیں ہاسپٹل لے کر چلتا ہوں یہ چھالے کاٹ کر پٹی کرنی پڑے گی انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر ہمدردانہ انداز سے کہا اور بنا کسی سے کچھ کہے وہ مجھے لے کر اپنے دوست کے کلینک آ گئے ڈاکٹر نے شاہد بھائی کو بہت باتیں سنائیں کہ اس حالت میں یہ لڑکی کس قدر تکلیف سہہ رہی ہے اور تم لوگ اسے علاج کے لیے نہیں لائے۔'' وہ بے چارے کیا کہتے بس چپ چاپ سنتے رہے اور شرمندہ ہوتے رہے

گھر آ کر انہوں نے تائی جان کی منت سماجت کی کہ اسکے زخموں کے لیے پسینہ ٹھیک نہیں ہے میں اپنے گھر سے کام والا لڑکا بھیجتا ہوں اور خدا کے لیے میری خاطر اسے کچھ دن موحل کے ساتھ اے سی والے کمرے میں رہنے دیں ورنہ یہ زخم بگڑ کر بہت بڑا مسئلہ بنا دے گا۔''

شاید ان ماں بیٹی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی تھی کہ اگر زخم خراب ہو گئے تو لوگوں کو کیا جواب دیں گی اور ابراہیم بھی واپس آ کر ضرور پوچھے گا ان سے۔اس لیے میں موحل کے کمرے میں فرش پر پڑی کھردری کارپٹ پر سونے لگی۔وہ میرے بے ضرر وجود کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فون پر باتیں کرتی رہتی ایک دن میں نے سنا وہ اس سے لڑ رہی تھی۔

"اب میں اس بچے کا کیا کروں اب تک تو بات چھپی ہوئی ہے لیکن کچھ مہینوں میں میرا بھائی بھی واپس آ جائے گا چلو باپ کی نظر کمزور ہے وہ اپنے کمرے تک محدود رہتے ہیں۔لیکن بھائی کی نظر سے بچنا بہت مشکل ہے۔"

دوسری طرف کی آواز بھی مجھے صاف سنائی دے رہی رات کی خاموشی میں صرف اے سی کی آواز تھی چھت پر لگا پنکھا بند تھا اور موحل کے موبائل فون کے سپیکر کی آواز کافی تیز تھی۔

"میں نے تو شادی کے اعلان سے انکار نہیں کیا تھا ڈارلنگ! تم نے کہا کہ تمہیں اپنے گھر والوں کو راضی کرنے میں وقت لگے گا اس لیے میں چپ رہا لیکن میں تم سے زیادہ دیر تک دور نہیں رہ سکتا تھا اس لیے نکاح میں جلدی کی۔اب تو ہمارے پیار کی نشانی بھی تمہارے پیٹ میں پل رہی ہے اب تو اعلان کرنا ہی پڑے گا۔میرا تو بس ایک ہی بھائی ہے میں اسے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں نے اک کانچ کی حسین گڑیا سے شادی کر لی ہے اور وہ گڑیا ایسی نازک ہے کہ تیز آواز کا وار بھی نہیں سہہ سکتی۔" وہ دوسری طرف سے بہت پیار بھرے لہجے میں بول رہے تھے۔مجھے ان کی آواز سن کر بے اختیار آپ کی یاد آ گئی تھی اور میں چپکے چپکے بے آواز آنسو بہانے لگی۔

"امی نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے سر سب کچھ لے کر شاہد کی فیملی کو انکار کر دیں گی اور پھر ہماری اعلانیہ شادی بھی ہو ہی جائے گی۔بس مجھے امی کی رضامندی کی فکر تھی اب مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔

آج بھی میرا منگیتر شاہد آیا تھا مجھے دیکھ کر بولا "مومی بہت موٹی ہو رہی ہو اپنے وزن کو کنٹرول کر لو اچھی سے کل کو میں نے نازک اندام سی کوئی لڑکی پسند کر لی تو گلہ نہ کرنا۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ایک تو یہ شگفتہ بیگم بھی میرے کمرے میں سوتی ہے ہم کھل کر بات ہی نہیں کر سکتے جی تو چاہتا ہے آن لائین ایک دوسرے کو دیکھ کر باتیں کریں۔میں نے آپ کو اپنے بالوں کی نیو کٹنگ دکھانی تھی۔"

میں آنسوؤں کی جھڑی میں بھیگتی ہوئی اس کی آواز سن رہی تھی۔

''روز ملتے ہیں ہم دونوں۔لیکن لگتا ہے کہ تشنگی مٹتی ہی نہیں'' دوسری طرف سے کہے گئے پیار بھرے جملوں کی لذت سے سرشار مومل ہواؤں میں اڑنے لگی تھی لیکن میں دواؤں کے زیر اثر روتے روتے سو گئی تھی۔

☆......☆......☆

اس دن دونوں ماں بیٹیاں بہت خوش تھیں میں تایا جی کے پاس بیٹھ کر انہیں اخبار پڑھ کر سنا رہی تھی کہ مومل کا فون بجنے لگا۔۔وہ مسکراتے ہوئے فون لیے باہر نکل گئی۔

تائی جان بھی اب اسے کچھ نہیں کہتی تھیں بلکہ مجھ سے اور تایا جی سے چھپ کر مومل کی خوراک کا خوب خیال رکھنے لگی تھیں۔

ایک دن میں کچن میں کھڑی شاہد بھائی کے بھیجے گئے کام والے لڑکے کو سبزی کاٹنے کے لیے دے کر اپنی پناہ گاہ کی طرف جا رہی تھی تو تائی جان کی کھنکتی آواز نے میرے قدموں کو جکڑ لیا۔

''یہ بچہ تمہارے پاس اسے باندھے رکھنے کا ذریعہ ہے اتنا امیر آدمی ہے وہ اور یہ ساری دولت اس بچے کی اور تمہاری ہی ہوئی نا؟اب تم اسے کہو کہ وہ تمہارے نام وہ بنگلہ کر دے جس میں وہ رہتا ہے کہنا کہ میری ماں کوئی ضمانت مانگتی ہے ورنہ مجھے یا میری ماں کو کوئی ضرورت نہیں تمہاری جائیداد کی نہ ہم لالچی لوگ ہیں۔'' تائی جان مومل کو پٹیاں پڑھا رہی تھیں۔

''آج بھی شاید وہ لوگ مومل کے امیر شوہر کی کسی عنایت کی وجہ سے ہی خوش تھیں۔۔میں نے سنا تھا رات وہ کسی جائیداد اور کاغذات کے بارے میں باتیں کر رہے تھے اور مومل بار بار خوشی سے بھرپور آواز میں اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

میں نے دیکھا کہ ہمیشہ ہنستے مسکراتے باہر نکل کر بات کرنے والی مومل نے فون سنتے سنتے اچانک رونا شروع کر دیا تھا۔

''کیا ہوا مومل خیریت تو ہے نا؟'' تائی جان پریشانی سے پوچھنے لگیں۔

''ان کے وکیل کا فون ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کی طبیعت اچانک خراب ہوئی اور انہیں ایڈمیٹ کر لیا گیا

ہے۔ان کے کہنے کے مطابق ظہیر احمد خان اپنی وصیت لکھوا چکے ہیں جس کے بارے میں آپ کو اطلاع دینی ضروری تھی۔

"مجھے پتہ ہے کہ وہ سب کچھ تیرے اور اس بچے کے لیے لکھنا چاہتا ہو گا۔" تائی جان نے چہکتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

لیکن وہ بیمار کیسے ہو گئے ہیں؟ موصل تشویش زدہ انداز میں ماں کی طرف دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔"

"ارے ان امیروں کے چونچلوں کا تجھے پتا نہیں ہے ؟ ذرا سا سر میں درد بھی ہو تو اسپتال جا کر لیٹ جاتے ہیں۔تائی کو امیر لوگ اچھے بھی لگتے تھے اور ان کے پیچھے باتیں کرنے کا کوئی موقع بھی جانے نہیں دیتی تھیں۔"

ابراہیم چپ چاپ اس کی باتیں سن رہا تھا کئی بار اس کا دل چاہا کہ اسے روک کر کسی بات کی تفصیل پوچھے لیکن وہ اس خیال سے چپ ہی رہا کہ کہیں اسکی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ نہ جائے۔

وہ بہت کمزوری محسوس کر رہی تھی لیکن آج اس نے ابراہیم کو ہر بات بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"موصل اسپتال جانے کے لیے نکلنے لگی تو اچانک شاہد بھائی اندر آ گئے۔

"یہ مصیبت اس وقت کہاں سے نازل ہو گئی موصل بڑبڑانے لگی۔

"اس وقت کہاں جا رہی ہو موصل انہوں نے اسے تیار دیکھ کر سوال کیا۔

"وہ میں ڈاکٹر کے پاس جا رہی تھی۔" جلدی میں اسے اور کوئی بہانہ نہ سوجھا تو سچی بات کر دی

"لیکن ڈاکٹر کے پاس کس لئے جا رہی ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" انہوں نے پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے دیکھا کہ تائی جان کا رنگ بھی اس سوال پر اڑ گیا تھا۔اور موصل بھی گڑبڑا کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی بہانہ بناتا یا شاہد بھائی کو شک ہو جاتا۔میں نے جلدی سے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"شاہد بھائی موصل مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہی ہے آج ہمیں ڈاکٹر کے پاس جانا تھا نا۔"

میرے اس بہانے پر دونوں ماں بیٹیوں کے سانس میں سانس آئی۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے وہ جیسے کھل سے گئے ایسا کرتے ہیں میں بھی تم دونوں کے ساتھ ہی چلتا ہوں۔"انہوں نے جلدی سے کہا۔

"لیکن موبل کو تو اپنی ایک دوست کے گھر بھی جانا ہے آج ان کی دوست کی سالگرہ ہے۔" میرا دماغ اس دن خوب چل رہا تھا میں نے پھر بات سنبھالی۔

اب موبل کو مجھے بھی ساتھ لے جانا پڑا تھا۔تائی جان نے اشاروں ہی اشاروں میں اسے کچھ سمجھایا اور خود شاہد بھائی کے پاس بیٹھ گئیں

"دیکھو شگو میں تمہیں ساتھ تو لے جا رہی ہوں لیکن اپنی زبان اور کان دونوں بند رکھنا۔۔یوں سمجھو کہ تم بہری بھی ہو اور گونگی بھی نہ تم نے کچھ سنا ہے اور نہ تم نے کچھ دیکھا ہے۔"

میں چپ چاپ اثبات میں سر ہلا کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

"یہ انہیں کیا ہوا ہے ڈاکٹر صاحب؟"

موبل نے بیہوش پڑے اپنے شوہر ظہیر احمد خان کی حالت دیکھ کر انتہائی پریشان لہجہ میں ڈاکٹر سے سوال کیا۔

"آپ ان کی کیا لگتی ہیں؟"

"جی میں انکی مسز ہوں" وہ مجھ سے نظریں چرا کر کہنے لگی۔

" مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ آپ ان کی بیوی ہو کر بھی ان کی بیماری کے بارے میں نہیں جانتیں" ڈاکٹر کی آنکھوں میں حیرانی نظر آ رہی تھی۔

"انہیں پچھلے دو سال سے بلڈ کینسر کی بیماری ہے اور ہماری تشخیص کے مطابق اب تو لاسٹ اسٹیج ہے۔

ڈاکٹرز نے انکو پہلے سے بتا رکھا ہے کہ ان کے پاس صرف چند ماہ ہی ہیں زندگی جینے کے لئے اور ان کی ہمت کو ہم سب داد دیتے ہیں کہ انہوں نے بڑی بہادری سے ان حالات کا سامنا کیا اور حتیٰ الامکان حد تک اس بیماری کا مقابلہ بھی کیا۔" ڈاکٹر کے خاموش ہوتے ہیں موبل نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''ڈاکٹر صاحب یہ کب تک ہوش میں آجائیں گے؟''

وہ سراپا سوال بنی ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی

''میں معافی چاہتا ہوں جی۔ظہیر احمد خان صاحب کوما میں چلے گئے ہیں اور اب ہم ان کو وینٹیلیٹر پر ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔۔بحثیت ان کے معالج کے میں آپکو کوئی امید نہیں دلا سکتا بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ان کی زندگی کے صرف 24 گھنٹے باقی بچے ہیں باقی سب اللہ کے کام ہیں۔۔وہ اگر چاہے تو کیا نہیں کر سکتا؟وہ تو مردوں میں بھی جان ڈال سکتا ہے۔ڈاکٹر اپنا فیصلہ سنا کر چلا گیا تھا

ہمارے سامنے ہی وہ لوگ ظہیر احمد خان کو اٹھا کر وینٹی لیٹر کی طرف آئی سی یو میں لے گئے تھے۔

اب اس کمرے میں مومل اور میں ہی رہ گئے تھے۔

وہ اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ اس کی آنکھ کے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔

میں اس کی شکل دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ابھی اس کے آنسو بہنے لگیں گے۔لیکن میری منتظر نظروں کو اس کے گالوں پر پھیلتے ہوئے آنسو نظر نہ آسکے۔اس نے کچھ سوچتے ہوئے فون ملایا

''وکیل صاحب آپ کہاں ہیں میں آپ سے فورا ملنا چاہتی ہوں جی میں ظہیر کے روم میں ہی بیٹھی ہوئی ہوں اب جلدی سے ادھر آجائیں۔''

چند لمحوں کے بعد وکیل صاحب بھی اسی کمرے میں آگئے اور ساکت سی بیٹھی مومل کو تمام تفصیلات بتانے لگے۔

''ظہیر احمد خان صاحب کو آپ کی اور آپ کے ہونے والے بچے کی بہت فکر تھی بے ہوشی سے پہلے وہ میرے ساتھ یہ ہی بات کر رہے تھے۔انہوں نے اپنی وصیت لکھی ہے لیکن وہ میں ان کے مرنے کے بعد ہی کھول کر پڑھنے اور سنانے کا مجاز ہو سکتا ہوں اس سے پہلے مجھے اجازت نہیں کہ میں آپ کو ان کے بارے میں کچھ بتا سکوں۔مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے مسز ظہیر۔''

وہ اپنی بات پوری کر کے جا چکا تھا۔

مومل ایسی خود میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اسے کمرے میں میری موجودگی کا احساس ہی نہیں تھا۔

"مومل حوصلہ رکھو۔۔ جو اللہ کو منظور ہو گا وہی ہو گا تم یوں اپنے آپ کو بیمار کر دو گی تمہاری حالت ایسی نہیں کہ کوئی صدمہ سہہ سکو" میں اس کے سامنے زمین پر بیٹھ کر اسے تسلی دے رہی تھی۔

وہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی جبکہ میں زمین پر اس کے پاؤں میں بیٹھی تھی۔

"اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔

"مجھے اس خبیث انسان سے محبت نہیں تھی میں تو فقط اس کی امارت دیکھ کر اس کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہو گئی تھی۔لیکن اس قدر بڑا فراڈیا نکلے گا وہ مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔میرے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کسی موذی بیماری کا شکار ہو گا۔۔ وہ تو بظاہر بالکل ٹھیک لگتا تھا۔وہ یوں مجھے برباد کر کے سکون سے مر جائے گا؟"

ساری زندگی کبھی مومل نے میرے ساتھ سیدھے منہ بات نہیں کی تھی بچپن سے وہ مجھے اپنے ساتھ کھیلنے بھی نہیں دیتی تھی یہ کہہ کر کہ تم گندی ہو تمہاری ماں بھی گندی تھی مجھے تم سے نہیں کھیلنا"

لیکن اس وقت تو وہ مجھے اپنے سارے زخم دکھا رہی تھی۔میرے سامنے خود کو عریاں کر چکی تھی اس کے سارے چھپے ہوئے گوشے بھی میں دیکھ رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہارے اندر وہ جرات نہیں کہ تم میرے راز کسی کے بھی سامنے کھول سکو۔اسی لیے یہ سب نہیں بتا رہی ہوں کہ مجھے تم پر بھروسہ ہے یا تم پر اعتبار کرتی ہوں۔۔ بلکہ یہ سب اس لیے جان لو کہ تم اک چیونٹی ہو۔چیونٹی اگر ہاتھی کو کاٹ بھی لے تو ہاتھی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔" وہ اس حال میں اسپتال کے کمرے میں بیٹھی تھی کہ اس کا شوہر وینٹی لیٹر پر پڑا ہوا تھا اس شوہر سے شادی اس نے چھپ کر کی تھی اور اسی شادی کا ثمر اس کی دنیا کی نظر میں کنواری کوکھ میں پل رہا تھا۔اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ جس دولت کا لالچ اسے اس مقام پر لے کر آیا ہوا ہے وہ کس کے نام ہے اور کس کو ملے گی؟ لیکن پھر بھی وہ لڑکی مجھے ذلیل کرنے کا موقع نکال چکی تھی۔

"مومل تم میرے چچا کی عزت ہو اور تم ابراہیم کی بہن بھی ہو اس لیے میرے لیے ممکن نہیں کہ میں تمہاری بے عزتی کرواؤں۔" میں نے اس مشکل وقت میں اسے حوصلہ دیا۔

شگفتہ نے تھکن اور بیماری کے درد سے چور چور وجود کی پکار سے تنگ آ کر آنکھیں موند لی تھیں "ابھی تو بہت کچھ کہنا رہتا ہے شگفتہ ابھی سے کیوں تھک رہی ہو؟ ابھی تو اپنے لٹنے اپنے برباد ہونے کی داستان بھی سنانی

ہے" اس نے خود کو سمجھایا اور ابراہیم کا بڑھایا ہوا پانی کا گلاس اس کے سہارے اٹھتے ہوئے تھام لیا۔

" تائی جان کو جب مومل نے ساری صورت حال روتے سسکتے ہوئے سنائی تب میں بھی ان کے پاس بیٹھی ان کو مونگ پھلیاں چھیل چھیل کر دے رہی تھی۔۔شاید وہ لوگ مجھے اس قدر بے ضرر سمجھنے میں حق بجانب تھے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ میں کس قدر بزدل اور کمزور ہوں اور یہ بھی کہ ابراہیم کے علاوہ میرا پوچھنے والا کوئی نہیں ہے سنا کرتی تھی کہ میرا اک باپ بھی ہوتا تھا جو اپنے خاندان والوں سے لڑ نہ سکا اپنے حق کے لیے اور شادی کے دن کا بھاگا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا لوگ سمجھتے تھے کہ شاید وہ زندہ نہیں ہے۔

" شگفتہ نے شاید دسویں بار اپنی آنکھوں کو ٹشو پیپر سے صاف کیا اور دوبارہ بولنے شروع ہوگئی۔

"تائی پر تو دکھوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا وہ مومل کو کوسنے لگیں بلکہ شدید غصے اور صدمے کی کیفیت میں دو تین تھپڑ بھی لگا دیئے تھے۔

انہیں اس بچے کی فکر تھی جس کا کوئی والی وارث نہیں رہا تھا۔

"اگر وہ مردود تمہیں کچھ دیئے بنا مر گیا تو کیا کرو گی؟"

یہ سوال تو مومل کو بھی رلا رہا تھا جب ایک شخص اس قدر جھوٹ بول سکتا ہے تو وہ دولت جائداد کے معاملات میں بھی تو غلط بیانیاں کر سکتا ہے۔بہر حال اسی پریشانی میں دونوں سر جوڑے بھوکی پیاسی بیٹھی تھیں کہ دوسرے دن پریشان تائی جان اور گم صم سی مومل کو اطلاع مل گئی کہ ظہیر احمد خان مر گیا ہے۔اور اس کی نماز جنازہ شام کو ادا کی جائے گی۔مومل گھر میں بیٹھی وکیل صاحب سے رابطے میں تھی۔

انہوں نے کہا کہ وہ آخری دیدار کرنا چاہے تو آ جائے لیکن تائی اور مومل تو اتنی غصے میں تھیں کہ انہوں نے ظہیر احمد خان کا منہ دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

چند دنوں بعد وکیل نے مومل کو اپنے دفتر بلایا اور ایک ایسا ہولناک انکشاف کیا کہ وہ وہیں بے حال ہو کر ڈھے سی گئی۔

میں اس کے ساتھ تھی۔۔مجھے وہ اس لیے ساتھ لے جاتی کہ شاہد بھائی کا بھیجا ہوا لڑکا بڑا ہوشیار تھا اور وہ ان کے ساتھ مسلسل رابطے میں بھی رہتا تھا اسی لیے تائی جان اور مومل کو خطرہ لگا رہتا کہ کہیں اسے کوئی شک نہ ہو

جائے۔وہ ڈاکٹر اور میری پٹی کروانے کے بہانے گھر سے نکلتی تھی تو میں بھی ساتھ ہوتی۔"

"وکیل نے مومل کو ایسا کیا کہا کہ وہ ڈھے گئی تھی؟" ابراہیم نے سوال کیا۔

"اس نے کہا کہ ظہیر احمد خان نے وصیت کی ہے کہ ان کا چھوٹا بھائی عزیز احمد خان ان کی بیوہ اور ہونے والے بچے کو اپنائے گا۔انہوں نے اپنی کروڑوں کی جائیداد کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ۔۔ میری موت کے بعد عزیز احمد خان اور مومل ظہیر احمد خان اگر آپس میں نکاح کر لیں تو یہ جائداد دونوں میں تقسیم کر دی جائے۔انہوں نے لکھوایا ہے کہ اس طرح ان کی ہونے والی اولاد کو تحفظ مل جائے گا اور یہ ہی اس فیصلے کا مقصد بھی ہے۔وکیل نے پریشانی سے روتی ہوئی مومل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے بہت سمجھایا انہیں کہ مسز مومل ظہیر کیونکر اس فیصلے کا احترام کریں گی یہ بہت مشکل فیصلہ ہوگا ان کے لیے بھی اور آپ کے چھوٹے بھائی کے لیے بھی. لیکن انہوں نے کہا کہ مومل صاحبہ کی فطرت میں لالچ غالب ہے اس نے دولت کے لیے اپنے منگیتر کے ہوتے ہوئے جب وہ مجھ سے شادی کر سکتی ہیں تو میرے بھائی سے شادی کر کے وہ دولت کیوں حاصل نہ کرنا چاہیں گی؟"

وکیل کی صاف گوئی نے مومل کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔

"ظہیر ایک جھوٹا اور بے ایمان انسان تھا اس نے مجھے دولت نہیں محبت کے لالچ میں حاصل کیا ہے۔۔ جھوٹی محبت کے سحر میں گرفتار لڑکیاں اکثر غلط فیصلے ہی کرتی ہیں میں بھی اسی ایک غلط فیصلے کی قید میں پھڑ پھڑا رہی ہوں۔لیکن وہ جھوٹا شخص مجھے اسی فیصلے کے پنجرے میں بند کر کے چابی ساتھ لے گیا ہے۔"

اس کے ہر انداز سے ظہیر احمد خان کے لیے نفرت اور حقارت ٹپک رہی تھی۔

میرا جی چاہا میں کہوں کیوں جھوٹ بولتی ہو مومل!؟ جب تم نے میرے سامنے اعتراف کیا ہے کہ یہ شادی فقط دولت کے حصول کی کوشش کا نتیجہ ہے تو پھر کیوں تسلیم نہیں کرتیں۔"

"وکیل صاحب آپ نے عزیز خان صاحب کا جواب نہیں بتایا وہ کیا کہتا ہے؟"

مومل کے سوال پر وکیل نے اسے ایک میسج دکھایا۔

"انہوں نے کہا ہے کہ وہ اس فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے اپنی بھابھی سے نکاح اور بچی کی کفالت کے لیے

تیار ہیں۔وہ آپ سے ملنا چاہتے تھے لیکن میں نے روک دیا کیونکہ مجھے میرے مرحوم مؤکل ساری صورت حال بتا چکے ہیں۔۔اس شادی کا خفیہ رکھنا اور آپ کی مجبوریاں۔۔بھی۔میں نے سوچا جانے ان کے آپ سے ملاقات کے لیے گھر پہنچنے پر آپ کے لیے کون کون سی مشکلات کھڑی ہو جا ئیں اس لیے انہیں یہ کہا کہ آپ عدت پر بیٹھی ہیں اور عدت اور ڈیلیوری کے بعد ہی آپ دونوں کی ملاقات طے ہو سکتی ہے۔وہ بھی مان گئے اور واپس اسلام آباد چلے گئے۔"

"ٹھیک ہے وکیل صاحب میں کچھ سوچتی ہوں اس ہونے والے بچے کے ساتھ آپ کے مرحوم مؤکل بہت برا کر گئے ہیں۔اور جب آپ سب کچھ جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہی ہوں گے کہ انہوں نے مجھے دھوکے میں رکھ کر شادی کی تھی ایک کینسر کے آخری سٹیج کا مریض ایک جوان کنواری اور صحت مند لڑکی سے شادی کیوں کرتا ہے ؟جبکہ اسے یہ بھی علم ہو کہ وہ چند مہینوں میں مر جائے گا۔"

وہ اپنی الجھن دور کرنا چاہتی تھی اس لیے سوالیہ انداز میں وکیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں سب جانتا ہوں۔۔اصل میں ان کے چھوٹے بھائی نے شادی کی اور محض دو سال بعد ان کی بیوی نے یہ کہہ کر خلع لے لی کہ وہ باپ بننے کی صلاحیت سے محروم ہیں اور ثبوت کے طور پر ان کی میڈیکل رپورٹس بھی عدالت میں پیش کیں۔جبکہ ظہیر احمد خان صاحب کی منگیتر جن سے وہ بہت محبت کرتے تھے وہ ان کی بیماری کی خبر لگتے ہی انہیں چھوڑ کر اپنے کزن سے شادی کر چکی تھی۔

انہوں نے بہت سوچا کہ ایک بھائی باپ بننے کی صلاحیت سے محروم ہیں اور دوسرے بھائی کی موت ان کے دروازے پر دستک دے رہی ہے تو کسی طرح سے بھی کسی لڑکی سے چھپ کر جلد از جلد شادی کر لیں کیونکہ اعلانیہ شادی کی صورت میں کوئی نہ کوئی دلہن کو ضرور بتا دیتا کہ تمہارا شوہر چند مہینوں کا مہمان ہے اس دنیا میں۔سو یہ سب سوچ کر انہوں نے آپ کو شادی کی پیشکش کی اس سے پہلے وہ قیمتی تحائف سے آپ کو اپنی طرف متوجہ کر چکے تھے۔باقی کی کہانی سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔۔آپ کے حاملہ ہونے کا انہیں انتظار بھی تھا اور جلدی بھی تھی لیکن ان کی آخری خواہش ادھوری رہ گئی کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے خاندان کے آخری چشم و چراغ کو اپنی زندگی میں دیکھ سکیں گود میں اٹھا سکیں پیار کر سکیں۔" وکیل کی آواز میں اداسی تھی۔

"اوہ تو یہ بات ہے اپنے خاندان کا نام باقی رکھنے کے لیے انہوں نے میرا استعمال کیا کسی کی زندگی برباد ہوگئی یہ ان کا مسلہ نہیں تھا کیونکہ انہوں نے تو گور میں لیٹ جانا تھا ان کی بلا سے پیچھے والے جو بھی کریں ؟"
مومل نے جلے بھنے انداز میں کہا تو وکیل سر ہلا کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کو اپنے فیصلے سے چند دن میں آگاہ کرتی ہوں وکیل صاحب۔"

وہ باہر نکل گئی مجھ غریب کو دیکھا بھی نہیں کہ اسے پتہ تھا کسی پالتو اور وفادار جانور کی طرح شگفتہ بی بی اس کے پیچھے پیچھے دم ہلاتی چلتی رہے گی۔"

"شگفتہ اب آرام کرو بہت ہوگیا اب تو تمہاری آواز میں بھی درد نمایاں محسوس ہو رہا ہے۔"

وہ زور زور سے ہنسنے لگی اتنی ہنسی کہ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند پھیل گئی تھی۔

"ابراہیم آپ احساس کی دولت سے مالا مال ہیں۔۔ میں سوچتی ہوں آپ کیوں آپ سب سے الگ سب سے منفرد ہیں بے حسی کے ہر رشتے سے جب جب مایوس ہوئی مجھے جس شخص نے حوصلہ دیا وہ آپ تھے۔۔ رشتوں پر قائم بھروسہ صرف اور صرف آپ کے دم سے ہے۔"

وہ چپ چاپ اس نازک سی عورت کو دیکھے گئے جس نے درد کا پل صراط عبور کیا تھا مگر جنت اسے پھر بھی نہیں ملی تھی۔

"آپ سوچ رہے ہوں گے کہ عزیز خان سے میری شادی کیسے ہوئی ؟ اور جب وہ طلاق یافتہ مرد اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو پھر سارا عزیز خان کون ہے؟ اور یہ بھی ضرور سوچ رہے ہوں گے کہ کروڑوں کی اس دولت کا کیا بنا جو ظہیر احمد خان کی اس شرط نے مومل اور عزیز خان سے دور کی ہوئی تھی کہ وہ دونوں شادی کریں گے تو ان کو وہ دولت اور جائیداد ملے گی۔" وہ غنودگی میں تھی۔

"شگفتہ مجھے صرف یہ جاننا ہے کہ ایسی کون سی مجبوری تھی کہ تم نے ابراہیم کو چھوڑ دیا۔" وہ یہ سوچتے ہوئے اس پر کمبل ٹھیک کرنے لگے۔

❂......❂......❂